قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

جلد: ۷۰ شمارہ: ۸

شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ ستمبر ۲۰۰۷ء

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے

زر سالانہ: ۲۰۰ روپے

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی

طابع: فیروز ذکی

مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

مدیر منتظم

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر

مولانا سعید احمد جلال پوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

ماہنامہ

بینات

کراچی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ "بینات" پوسٹ بکس نمبر ۳۳۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۴۹۲۷۲۳۳۔۱، ایکسٹینشن: ۱۴۔

فون جامعہ: ۴۹۱۳۵۷۰۔۴۱۲۱۱۵۲۔۴۱۲۳۳۶۶

فیکس: ۹۲-۲۱-۴۹۱۹۵۳۱

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ،

ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۰ر امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان،

ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۳ر امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۰ر امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن جمشید روڈ کراچی پاکستان

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

حق وصداقت کا معیار	۳	سعید احمد جلال پوری

مقالات و مضامین

نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی	۸	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
لال مسجد انتظامیہ اور حکومت کے درمیان مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟	۱۵	مولانا مفتی محمد رفیع عثانی
حامد میر کے نام کھلا خط!	۲۶	مولانا مفتی محمد رفیع عثانی
قرآنی علوم کے متعلق علمائے امت کے قابل تحسین کارنامے	۲۹	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
شب برأت اور اس کے تقاضے	۳۳	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
علامہ محمد یوسف بنوری اور خدمات حدیث	۴۵	مولانا عبداللہ کاپودروی انڈیا
عصبیت کا تعفن اور ہماری ذمہ داریاں	۵۱	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
اسلام کی اشاعت کیلئے الیکٹرانک میڈیا کا استعمال	۵۳	سعید احمد جلالپوری
میڈیا کا رنگین اسلام	۵۷	محمد عمر انور

دارالافتاء

وطن اصلی اور وطن اقامت کا مسئلہ	۶۱	مولوی عبدالواحد ایاز

نقد و نظر

	۶۵	ادارہ

حق وصداقت کا معیار؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

دنیا میں موجود انسانوں میں سے ہر ایک اپنے موقف کو حق، سچ اور صحیح جانتا و مانتا ہے، اور وہ اپنے موقف کی صحت، صداقت وحقانیت پر دلائل، براہین اور شواہد وقرائن جمع کرتا ہے۔

چنانچہ انسانی تاریخ کا جائزہ لیجئے اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجئے! تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک اپنے اپنے موقف ومسلک پر مطمئن ومسرور ہے بلکہ اس پر فریفتہ ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

''من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً، کل حزب بما لدیھم فرحون۔'' (الروم:۳۲)

ترجمہ:...... ''جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہوگئے ان میں بہت فرقے، ہر فرقہ، جو...... دین...... اس کے پاس ہے، اس پر فریفتہ ہے۔''

اس ساری صورت حال کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ شیطان ملعون ہر ایک کو اس کے اعمال وعقائد، خوش نما اور مزین کر کے دکھاتا ہے، چنانچہ ایک طرف اگر مسلمان اور اہل حق اپنے موقف کی حقانیت وصداقت کو قرآن و حدیث کے دلائل سے مبرہن کرتے ہیں تو دوسری طرف اعدائے اسلام کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ اور ہنود و مجوس بھی اپنے مزعومہ عقائد واعمال کے لئے دور کی کوڑی لانے کی اپنی سی سعی وکوشش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ا:...... ''وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لایھتدون'' (النمل:۲۴)

ترجمہ:...... ''میں نے پایا وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا اور بھلے دکھا رکھے ہیں شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے ان کو راستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے۔''

۲:...... ''فلولا اذ جاء هم بأسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطان ما كانوا يعملون'' (الانعام:۴۳)

ترجمہ:...... ''پھر کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہوگئے دل ان کے اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے۔''

۳:...... ''وكذالك زين لكثير من المشركين قتل اولادهم۔'' (الانعام:۱۳۷)

ترجمہ:...... ''اور اسی طرح مزین کردیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو۔''

۴:...... ''كذالك زين للكافرين ما كانوا يعملون۔'' (الانعام:۱۲۲)

ترجمہ:...... ''اسی طرح مزین کردیئے گئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔''

۵:...... ''واذ زين لهم الشيطان اعمالهم وقال لا غالب لكم اليوم من الناس۔'' (الانفال:۴۸)

ترجمہ:...... ''اور جس وقت خوشنما کردیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے۔''

ایک طرف اگر مسلمان اپنے دین و مذہب، مسلک و موقف اور ایمان و عقیدہ کی سچائی پر قرآن و سنت یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی وحی کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں، تو دوسری جانب شیطان بھی اپنے متعلقین و متبعین کو نہایت قوت و شدت سے باور کراتا ہے کہ تم ہی حق پر ہو، اس لئے کہ اگر تمہارا موقف غلط اور مسلمانوں کا صحیح و درست ہوتا تو تمہاری کثرت اور مسلمانوں کی قلت کیوں ہوتی؟ تم معزز اور مسلمان ذلیل کیوں ہوتے؟ تم حاکم اور مسلمان محکوم کیوں ہوتے؟ تم جابر اور مسلمان مجبور کیوں ہوتے؟ تم غنی اور مسلمان فقیر کیوں ہوتے؟ تم امیر اور مسلمان غریب کیوں ہوتے؟ تم مدعی اور مسلمان مجرم کیوں ہوتے؟ تم حکمران اور مسلمان تمہاری رعایا کیوں ہوتی، اس کے علاوہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی بجائے اقتصادیات پر تمہارا قبضہ کیوں ہوتا، پوری دنیا میں مسلمانوں کی بجائے تمہارے اقتدار کا سکہ کیوں ہوتا؟

الغرض جس طرح کفار ومشرکین اور عیسائی وغیرہ اپنی اس عددی کثرت، عزت، اقتدار اور حاکمیت کو اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی اقدار سے باغی اور تہذیبِ مغرب کے دلدادہ ہیں وہ بھی دین وشریعت کے حامیوں کے خلاف یہی استدلال پیش کرتے ہیں کہ اگر ان حامیانِ شریعت کا موقف ومنشور حق وسچ یا صحیح وصواب ہوتا تو ملکی عوام ان کی بجائے ہمارے ساتھ کیوں ہوتی؟ وہ ان کے بجائے ہماری آواز پر لبیک کیوں کہتی؟ اور وہ ان کو مسترد کیوں کرتی؟ انہیں عوامی سطح پر مقبولیت کیوں نہ ہوتی، قومی وصوبائی اسمبلیوں میں انہیں عددی برتری کیوں نہ حاصل ہوتی؟ ان کے عوامی اجتماعات، جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں میں عوام بھرپور شرکت کیوں نہ کرتی؟

دراصل روزِ اول سے دنیا میں دو طرح کی دعوتیں اور دو قسم کے پروگرام چلے آرہے ہیں، ایک طرف اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت ہے تو دوسری طرف خواہش پرستوں اور نفس وشیطان کے پجاریوں کی، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت رائج ومروج عقائد ونظریات اور غلط اعمال وافعال کے خلاف ہوتی ہے، تو نفس وشیطان کے پجاریوں اور باطل پرستوں کی عین منشائے شیطان اور ہوا پرستی کے مطابق۔ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ماحول کا دھارا اور ذوق ومزاج بدلنے کے لئے آتے ہیں۔

جبکہ نفس وشیطان کی دعوت، خواہش پرستوں کے ذوق ومزاج کی تائید وتسکین کے لئے ہوتی ہے، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ: ''چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' بہت آسان ہے اور تہذیب وتمدن کے بہتے دریا کے دھارے پر چلنا سہل اور اس کی مخالفت میں سفر کرنا مشکل، بلکہ حد درجہ صبر آزما ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''زمانہ ساز'' بننا مشکل اور ''بزمانہ ساز'' نہایت سہل، کیونکہ ابن الوقت...... زمانہ کے مطابق چلنا...... ہونا کمال نہیں، بلکہ ابوالوقت...... جو وقت کو اپنے انداز میں ڈھال لیں...... بننا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ماحول ومعاشرہ میں پہلے سے موجود ذوق ومزاج کی تعلیم وترویج پر کسی محنت ومشقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی جہالت، لاعلمی، بے شرمی، بے حیائی اور تخریب کاری کے لئے کسی مکتب، مدرسہ جامعہ اور اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے کہ تخریب وبربادی آسان اور حد درجہ سہل ہے، جبکہ بگڑے ماحول ومعاشرہ کی تعمیر واصلاح اور خواہش وہوا پرستی کے سامنے بند باندھنا اور اس کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنا بے حد مشکل اور نہایت ہی محنت طلب کام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھٹکتی انسانیت کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے، جبکہ دوسری طرف کفر، شرک، بت پرستی، قتل وغارت گری، زنا کاری، بدکاری، چوری، ڈکیتی، بداخلاقی، حیوانیت، درندگی اور سفاکی کے لئے کسی کو مامور نہیں کیا گیا، اس

کے علاوہ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ زمین و مکان اور باغ و گلستان کی آبادی و شادابی کے لئے محنت اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے‘ اس کے برعکس اس کے فساد و بگاڑ کے لئے کسی سعی و جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی‘ اگر اس کو یوں ہی لاوارث چھوڑ دیا جائے تو کچھ ہی عرصہ بعد محل و مکان شکست و ریخت کا شکار اور سرسبز و شاداب باغ و گلستان بنجر ہو جائے گا‘ اس میں طرح طرح کے خودرو پودے‘ جھاڑ جھنکار اور انواع اقسام کی خاردار جھاڑیاں پیدا ہو جائیں گی اور وہ باغ و مکان ایک ویرانہ و جنگل کی شکل اختیار کر لے گا۔

ٹھیک اسی طرح معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پر تن‘ من‘ دھن کی بازی لگانا پڑتی ہے‘ جبکہ اس کے بگاڑ کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت محنت طلب تھی‘ اور معاشرہ کے ذوق و مزاج کے خلاف تھی اور نفس و شیطان کی دعوت عین منشائے نفس و شیطان اور مقتضائے خواہش تھی‘ اور جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی خلافِ مزاج دعوت و محنت پر لبیک کہنے والے کم اور خواہش پرست و آزادی پسند ذوق و مزاج کے ہمنوا زیادہ تھے‘ اگر آج دعوتِ نبوت کے حاملین کی صدا پر لبیک کہنے والے کم اور نفس و شیطان اور خواہش و ذوق کی ہمنوائی کرنے اور ان کا ساتھ دینے والے زیادہ ہوں تو لائق تعجب اور باعث اضطراب نہیں‘ بلاشبہ یہ نہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل ہے اور نہ ہی کسی موقف کی صداقت کی علامت‘ بلکہ اس کو اپنی مقبولیت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا دراصل مشرکین و معاندین اسلام کی ہم نوائی کے مترادف اور ان کی دعوت و مشن کے غلط اور باطل ہونے کی کھلی دلیل ہے‘ کیونکہ ان کج فہموں کی دعوت‘ چاہے کتنا ہی خوشنما اور ان کے خیال میں کتنا ہی اچھی کیوں نہ ہو اور ان کا انداز بیان کتنا ہی سحر انگیز کیوں نہ ہو‘ مگر بہرحال وہ سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور انداز بیان سے زیادہ جاذبِ نظر‘ عمدہ اور اچھا تو نہیں؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں یا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پروگرام و پیغام کے مقابلہ میں‘ ان کے مخالفین و معاندین کا پروگرام‘ پیغام اور دعوت غلط و باطل تھی‘ تو ان کے متبعین کا پیغام‘ پروگرام اور دعوت‘ انبیاء کے نائبین اور وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر اچھی ہو سکتی ہے؟ اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے اقل قلیل اور کفر و شرک اور بتوں کے پجاریوں کی کثرت‘ دلیل کمال نہیں‘ تو جاہلیت کے علم برداروں کی عددی کثرت دلیل کمال کیوں ہوگی؟

اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی جاسکتی ہے‘ تو ان کے نائبین کی مخالفت بھی لائق تعجب نہیں‘ اگر ان کے پروگرام و پیغام سے بے اعتنائی‘ ان کے کمال اور ان کے پیغام و پروگرام کی عظمت کے منافی نہیں‘ تو ان کے نام لیواؤں کی مخالفت بھی ان کے نقص کی دلیل نہیں ہے‘ بلکہ ان کے عین حق و صداقت اور جادۂ مستقیم پر کاربند ہونے کی علامت ہے۔

اس لئے اگر کچھ احمق جہالتِ جدیدہ کے علمبرداروں کے اردگرد اکٹھے ہوجائیں؟ تو ان کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ہمارے موقف کی حقانیت وصداقت کی دلیل ہے۔ ورنہ پھر انہیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ نعوذ باللہ! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت‘ پیغام اور پروگرام کے مقابلہ میں معاندین اسلام کا پیغام‘ پروگرام اور ان کی دعوت حق وسچ تھی‘ جب ہی تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والے کم اور ان کے مخالفین ومعاندین زیادہ تھے۔ حالانکہ نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ ایسے انبیاء بھی آئے‘ جن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں صرف ایک دو تھے اور بعض ایسے بھی ہوئے‘ جن کی دعوتِ حق وصداقت پر لبیک کہنے والا ایک بھی نہیں تھا‘ کیا کہا جائے کہ ان کی دعوت و پیغام میں نقص تھا؟ یا ان کے معاندین ومخالفین ہی محروم القسمت تھے؟

روزِ اول سے حق و باطل کا معیار یہ رہا ہے کہ باطل اور باطل پرستوں کی دعوت خواہشاتِ نفس اور ہوا پرستی کے منشاء کے عین مطابق ہوتی ہے‘ اس لئے بگڑے ہوئے معاشرہ میں موجود ہوا پرستوں کی اکثریت ان کے ہم دوش ہوجاتی ہے‘ اس کے برعکس چونکہ حق پرستوں اور داعیانِ حق کی دعوت معاشرہ میں موجود فساد و بگاڑ کی اصلاح اور ہوا پرستی وخواہش پرستی کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہے‘ اس لئے خواہش پرستوں کی اکثریت اس کی مخالفت ومخاصمت پر کمر بستہ ہوجاتی ہے۔

ٹھیک یہی فلسفہ آج بھی کارفرما ہے کہ معاشرہ میں حق پرستوں کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی کمی کو بطور معیار استعمال کرکے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم اور ہمارا پروگرام ہی حق وسچ ہے‘ جب ہی تو ہماری کثرت ہے۔

جو لوگ مسلمانوں اور دین وشریعت کے داعیوں کے مقابلہ میں اپنی عددی کثرت کو معیارِ حق جانتے ہیں‘ دیکھا جائے تو وہ دراصل اسلام دشمنوں کے اس پروپیگنڈا کو تقویت پہنچارہے ہیں کہ: ”پاکستانیوں نے انتخابات میں دین داروں کو شکست دے کر اسلام کو مسترد کردیا ہے۔“ صرف یہی نہیں‘ بلکہ دوسرے لفظوں میں امریکا‘ برطانیہ اور دوسرے اسلام دشمن ممالک کے نشریاتی اداروں نے بھی ایسے لوگوں کو جنہوں نے دین داروں کے مقابلہ میں انتخابات میں عددی اکثریت حاصل کی ہے‘ اسلام مخالف کیمپ میں شمار کرکے خود ان کے کفر پر مہر تصدیق ثبت کی ہے بتلایا جائے‘ یہ ان کے موقف کے سچا ہونے کی علامت ہے یا غلط ہونے کی؟

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

بہرحال یہ مسلمات میں سے ہے کہ افرادِ بشر میں جن نفوسِ قدسیہ کو حق تعالیٰ نے اصلاحِ نفوس اور ہدایت وارشادِ عالم کے لئے منتخب فرمایا ہے' ان سب کے سرتاج سید الانبیاء والمرسلین' امام المتقین' خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کی ذاتِ مقدس ہے۔ اگر ان میں کوئی کوتاہی اور کمی رہ جائے تو پھر سارے انبیاء کرام کوتاہیوں سے مبرا کیسے ہو سکتے ہیں اور امت کی ہدایت کے لئے وہ کیسے اسوہ وقدوہ بن سکتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذاتِ اقدس نے ہدایت وارشاد کے لئے ان کی بعثت فرمائی ہے' وہ العیاذ باللہ قاصر ہے اور ان کی قدرت سے ایسے افراد کا انتخاب بالاتر ہے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی' پھر نہ تو خدائی رہی' نہ نبوت ورسالت' نہ آسمانی وحی' نہ دین' سارا معاملہ ہی ختم ہو گیا' ان حقائق کی روشنی میں ''ترجمان القرآن'' جلد ۸۵ شمارہ ۱ اپریل ۱۹۷۶ء میں بعنوان ''اسلام کس چیز کا علمبردار ہے'' مودودی صاحب کا مقالہ مطالعہ کیجئے' ص:۳۰ پر موصوف یوں رقمطراز ہیں:

''وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) نہ فوق البشر ہے' نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے''۔

کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے؟ ہاں تمام اولین وآخرین اور حق تعالیٰ جو خالق الانبیاء والمرسلین ہیں' ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اتقی البشر ہیں' سید البشر ہیں' تمام نسلِ انسانی میں سب سے بڑھ کر متقی اور کامل ترین افرادِ بشر میں سے ہیں' آفتابِ عالمتاب اور بدرِ منیر کے انوار کو ان کے انوار سے کیا نسبت؟ آسمان ہو یا زمین' چاند ہو یا سورج حتی کہ عرشِ رحمن بھی آپ کی منزلت سے قاصر ہے' تمام مخلوقاتِ خداوندی میں افضلیت وکمال کا تاج آپ ہی کے سر باندھا گیا ہے۔

''نہ فوق البشر ہے'' یہ جملہ بھی جو غمازی کرتا ہے کہ فوق البشر کہنا بھی ناقابل برداشت ہے' لیکن ''نہ

بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے“ کے فقرے سے جو کچھ دل میں تھا ابھر کر آ گیا۔ جو شخص بشری کمزوریوں میں ملوث ہے‘ وہ بشر کی ہدایت کے لئے کیسے موزوں ہوسکتا ہے؟ اردو کے عرف میں اور عام تعبیرات کے پیش نظر بشری کمزوریوں کا اطلاق ان صفات بشریہ پر ہوتا ہے جو صفات ذمیمہ اور قبیحہ ہیں‘ لوازم بشریت مراد ہو ہی نہیں سکتے‘ لوازمِ بشریت: کھانا‘ پینا‘ سونا‘ جاگنا‘ خوشی‘ غم‘ صحت و مرض‘ وفات وغیرہ بلاشبہ یہ لوازم بشریت ہیں‘ خواص بشریت ہیں اور صفاتِ بشریہ ہیں‘ عرف میں اس کو کوئی بشری کمزوریوں سے تعبیر نہیں کرتا‘ لوازم بشریت سے تو ملائکۃ اللہ اور حق تبارک وتعالیٰ منزہ ہیں‘ کہنا یہ ہے کہ یہ جملہ خطرناک حقیقت کی غمازی کررہا ہے۔ اسلام کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ تو ان کو یہ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کہ کلمۂ اسلام میں‘ کلمۂ شہادت میں‘ اذان واقامت میں حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام آئے‘ نماز میں درود وسلام بھیجنے کا حکم ہو اور اس انداز سے ہو کہ چونکہ حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں‘ اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو‘ بارگاہ قدس سے اتنا اونچا منصب عطا کیا گیا ہو‘ اور مودودی صاحب کی نگاہ میں ”وہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں“ جو شخصیت بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو‘ کیا وہ اس منصب جلیل کی مستحق ہوسکتی ہے؟

بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے‘ لیکن اس ایک جملہ سے ان کے تمام کمالات اور منصب نبوت پر پانی پھر جاتا ہے اور ہر ناقد کے لئے تنقید کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے‘ بشری کمزوری میں جھوٹ بولنا‘ خود غرضی‘ بقایا جاہلیت کے آثار کا نمایاں ہونا‘ مصلحت اندیشی کا کارفرما ہونا‘ بنی عبد مناف اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دینا‘ قریش ومہاجرین کو وہ مقام عطا کرنا جس سے انصار محروم تھے‘ وغیرہ وغیرہ۔ کون سی کمزوری ہے جو اس اجمال میں نہیں آسکتی؟

کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان کمزوریوں کی نشاندہی خود فرمادیتے کہ وہ کون سی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذات گرامی میں موجود ہیں‘ اس قسم کے نظریات یا قلمی طغیانی اس شخص کا شیوہ ہے جو نہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہو‘ نہ اسے علم دین میں کمال حاصل ہو‘ عجب وکبر میں مبتلا ہو‘ اعجاب بالرای کی وباء عظیم میں ملوث ہو‘ جس ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم ہو‘ حق تعالیٰ پر ایمان کے بعد جس پر ایمان کا مرتبہ ہو‘ جسے ہدایت امت کے لئے سراجاً منیراً بنایا گیا ہو‘ جو دعوت الی اللہ پر مامور ہو‘ جس کی شخصیت کو امت کے لئے اسوہ بنایا گیا ہو‘ جس کی صفات وکمالات اور خصائص واخلاق عظیمہ کا اعلان کیا گیا ہو‘ مودودی کی نگاہ میں ان کی شخصیت اتنی شدید مجروح ہو کہ ”بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں“ اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ مودودی صاحب سلف صالحین کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں‘ صحابہ کرامؓ کی شخصیت کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں اور انبیاء کرامؑ کی شخصیت پر بھی کچھ نہ

کچھ اشارات جرح کے موجود تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ نبوت پر تقصیر ہوئی جیسے کہ ''تفہیم القرآن'' میں ہے وغیرہ وغیرہ' ایک حضرت سید المرسلین' خاتم النبیین' امام المتقین کی ذاتِ گرامی باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب مجروح ہوگئی۔

تعجب کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے ہر پیراگراف کو قرآنی حوالہ دے کر بیان کیا اور شاید مقالہ اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے والے کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ جملہ بھی بقیہ قرآنی حوالوں سے معمور ہوگا' لیکن بغیر جوڑ کے قرآنی تعبیرات کے درمیان سطر ۱۲' اشارہ ۱۳' ص:۳۱ پر یہ دل کی بات قلم سے نکل گئی' قرآن کریم میں جہاں یہ حکم ہو کہ: آپ اعلان کریں کہ میں بشر ہوں' ساتھ ہی ''یوحیٰ الیّ'' کا وصف لگایا گیا' تاکہ کوئی قاصر الفہم' قاصر العقل بشر کے ساتھ بشری کمزوریوں کا خیال نہ کرے' چنانچہ ارشاد ہے:

''قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الھکم الہ واحد'' (کہف:۱۱۰' فصلت:۶)

سورہ اسراء:۹۳ میں ہے: ''قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا'' بشر کے ساتھ رسول کی صفت لگائی گئی ہے۔

جہاں محض بشریت کا ذکر کیا ہے یا صفاتِ بشریت کا ذکر ہے وہ تمام تر مشرکین وکفار کے قول کی نقل ہے: ''قالوا ان انتم الا بشر مثلنا''۔ (ابراہیم:۱۰)

''ھل ھذا الا بشر مثلکم''۔ (الانبیاء:۳)

''ماھذا الا بشر مثلکم''۔ (المومنون:۳۳)

''ما انتم الا بشر مثلنا''۔ (یٰس:۱۵)

''ما نراک الا بشراً مثلنا''۔ (ہود:۲۷)

کفار نے بلاشبہ طعنے کے طور پر کہا کہ یہ ہم جیسے بشر ہیں' بلکہ ان کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ جرم بھی عائد کرسکیں کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں' اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزگی اخلاق' کرامت وشرافت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ انکار کی مجال نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ طعنہ دیا کہ: کھاتا پیتا ہے' بازاروں میں جاتا ہے' گویا فرشتہ نہیں کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو' کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ موصوف کے دل میں اس سے بھی زیادہ کچھ ہے' لیکن خوف مانع ہے' پوری دل کی بات کا اظہار نہ کرسکے۔ ''وما تخفی صدورھم اکبر'' اللہ تعالیٰ زیغ وضلال سے بچائے۔

بشری کمزوری دو راستوں سے ہوتی ہے: ۱:- نفس' ۲:- شیطان۔ جب نبی ورسول نفس کی غیر مستحسن اور ناپسندیدہ خواہشات سے مبرا ہے اور پاک ہے تو اس کے عواطف ورجحانات ناپسندیدہ نہیں ہوسکتے' ان کا نفس

نفسِ مطمئنہ ہے نفسِ ملکی ہے نفس کی صفاتِ رذیلہ سے یکسر بالاتر ہے ادنیٰ سے ادنیٰ رذیلہ نفسانی کا وہاں گذر نہیں اور نفس کے جتنے صفاتِ کمال ہیں تقویٰ وطہارت شکر وصبر عفت ورافت رحمت وجود اور سخاوکرم وغیرہ تمام کے تمام وہاں موجود ہوتے ہیں اور شیطان لعین کے وساوس سے یکسر حفاظت ہوتی ہے ۔شیطان نبی ورسول کو کبھی بھی غلط کام پر آمادہ ہی نہیں کرسکتا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میرا شیطان مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے'' بہر حال جب دونوں راستوں سے حفاظت ہوگئی تو بشری کمزوری خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔

''صحیح مسلم'' میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں تو یہ آیا ہے کہ: ''کان خلقه القرآن'' آپ کے اخلاق کریمہ قرآن کریم کا مرقع ہیں گویا آپ کی حیاتِ مقدسہ زندہ قرآن ہے آپ کا وجود مقدس زندہ قرآن ہے اور یہی تمام عالم کا فیصلہ ہے لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ''بشری کمزوریوں سے آپ بالاتر نہیں''۔

پھر سنت اللہ جاری ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے عام قویٰ بشری بھی عام انسانوں سے بالاتر ہوتے ہیں ان کی جسمانی صلاحیتیں جسمانی قوتیں برتر اور عام افرادِ بشر سے بالاتر ہوتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

''حضرت رسول اللہ ﷺ کو چالیس افراد جنت کی قوت عطا فرمائی گئی ہے''۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

''جنت میں ہر فرد بشر کو سو اشخاص کی قوت عنایت کی گئی ہے'' بلکہ قاضی عیاض ''شفاء'' میں اور سیوطی کی ''خصائص کبریٰ'' میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

''اما علمت ان اجسادنا تنبت علی ارواح اهل الجنة''

یعنی ہمارے اجساد میں ارواح اہل جنت کی ہیں ان تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے بہر حال نہ معلوم کہ اتنی صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی شخص بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو وہ کیونکر ہادی ورہنما بنے گا اور اس کی دعوت وتبلیغ کیونکر کامیاب ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم تو صاف اعلان فرماتا ہے:

''اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون''۔ (البقرہ:۴۴)

ترجمہ:...''کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو اور تم کتاب اللہ پڑھتے ہو کیا اتنا بھی تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا اثر ہوگا''۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ جو کیا اسی کا حکم دیا۔تاکہ قول وعمل میں

کوئی تضاد نہ ہو۔ مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب کو اتنی واضح اور صاف بات بھی سمجھ میں نہیں آتی، بہر حال جہاں مودودی صاحب کے بہت سے قابل شدید اعتراض مباحث ہیں یا تعبیرات ہیں اور ان کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہیں، یہ جملہ اور مضمون بھی قباحت میں گوئے سبقت لے گیا ہے۔

مودودی صاحب اپنی تفسیر سورۂ آل عمران میں حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''سودخوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سودخوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والے میں حرص وطمع، بخل، خودغرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض حسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا''۔

اسی سورۂ آل عمران کے آخر میں ان صحابہ کے بارے میں حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

''فالذین هاجروا واخرجوا من دیارهم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنهم سیآتهم ولادخلنهم جنت تجری من تحتها الانهار ثوابا من عند الله والله عنده حسن الثواب''۔(آل عمران:۱۹۵)

ترجمہ:...''سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہوگئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے''۔

حق تعالیٰ نے تو ان کو یہ داد دی ہے اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ حریص، طماع، بخیل، خودغرض ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بغض وحسد رکھنے والے اور ان بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ان میں جہل وعناد کی بھی انتہاء ہوگئی، غزوۂ احد کے بعد غزوہ بنی النضیر میں جو سورۂ حشر نازل ہوئی، اس میں حق تعالیٰ شانہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلاً من الله ورضواناً وینصرون الله ورسوله اولئک هم الصادقون والذین تبوء وا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولایجدون فی صدورهم حاجةً مما اوتوا ویؤثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون''۔(الحشر:۸)

ترجمہ:...''ان فقراء مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کردیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا حق ہے جو دارالاسلام میں ان (مہاجرین کے آنے) سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں اور جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے' اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں' اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو' اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

حق تعالیٰ تو ان مہاجرین وانصار کو''صادقون ومفلحون''جیسے شاندار الفاظ میں اس عجیب انداز سے داد دیں اور مودودی صاحب ان کو طماع وحریص' ایک دوسرے سے متنفر بتلائیں۔اس وقت تو بطور مثال ایک سرسری اشارہ کردیا گیا اور یہ موضوع ابھی بہت کچھ لکھنے کا محتاج ہے' اسی مضمون ومقالہ کے شروع میں جو تحقیق فرمائی گئی کہ:

''ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں جس کو سب سے پہلے محمد ﷺ نے پیش کیا ہو اور اس بناء پر آپ کو بانی اسلام کہنا صحیح ہو۔انبیاء میں محمد ﷺ کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ:۱-وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔۲-ان کے ذریعہ خدا نے اسی اصل دین کو پھر تازہ کردیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا الخ''۔

اس مضمون میں بھی ان کو ٹھوکر لگی ہے اور غلط موڑ پر پہنچ گئے جو نہایت خطرناک ہے' اب دیانت اور دین کی خیرخواہی کا تقاضا یہی ہے کہ ان مضامین پر بے لاگ تبصرہ ایسا کیا جائے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آجائے جو ایک دو مولوی ان کی ہم نوائی کرتے چلے آئے ہیں' ان کے ایمانی امتحان کا وقت بھی آگیا ہے۔والله يقول الحق وهو يهدى السبيل.

حضرت نبی کریم ﷺ کے مقام عالی کا کیا کہنا' آپ کی صحبت' فیض خدمت اور توجہاتِ مبارکہ سے صحابہ کرامؓ جس مقام پر پہنچ گئے ہیں' اس کا ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے ناممکن ہے۔قرآن کریم کی سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

''محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً سيماهم في

وجوههم من اثر السجود''۔ (الفتح:۲۹)

ترجمہ:...''حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں' وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں' اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں اور کبھی سجدہ کررہے ہیں' اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں' ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہرے سے نمایاں ہیں''۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج ''ترجمان القرآن'' بابت ماہ جون ۱۹۷۶ء میں ''رسائل ومسائل'' کے عنوان سے اس کے جواب کی کوشش کی گئی' ظاہر بات ہے کہ بات ناقابل برداشت تھی اور اس میں پوری رسوائی ہورہی تھی' اس لئے موصوف کے حواریوں میں سے کسی نے موصوف کو متنبہ کیا اور اس کا جواب دیا گیا' کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرتے اور اعلان کرتے کہ:'' میں نے یہ بات غلط کی ہے' لیکن مودودی صاحب کی تاریخ زندگی میں اس بات کا امکان نہیں' یہ تو ہوا کہ جب کسی ہمدرد حواری نے کسی غلطی پر متنبہ کیا تو دوسرے ایڈیشن میں وہ بات نکال دی گئی' لیکن اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اعتراف کرکے غلطی کا اعلان ہوتا اور غلط بات سے رجوع کرتے' تاکہ وہ لوگ جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہے' وہ بدستور گمراہ نہ ہوتے' مثلاً تفسیر ''تفہیم القرآن'' کے پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو فرائض نبوت میں تقصیر کا مرتکب مانا تھا' لیکن اعتراض کے بعد دوسرے ایڈیشن پر اس عبارت کو حذف کردیا گیا' کیا یہ دیانت ہے؟ اور کیا یہ حق ہے؟ اور کتنی مثالیں ہیں۔ مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام ایسے معصوم نہیں ہیں کہ غلطی نہ ہوسکتی تھی' وہ تو فرماتے ہیں کہ:''بشریت کے اظہار کے لئے کوئی وقت ایسا ضرور ہے'' تو کیا مودودی صاحب معصوم ہیں کہ ان کی عصمت انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی زیادہ ہے' بہرحال جب عذر کرکے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی بالکل لچر اور بے معنی ہے' اردو محاورات میں کوئی بتلادے کہ لوازمِ بشریت کمزوریوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ مولانا مودودی صاحب بشری کمزوریوں سے عیوب ونقائض ہی مراد لیتے ہیں' اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی تفسیر میں انہوں نے صحابہ کرامؓ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں سود خوری کی وجہ سے دو قسم کی بیماریاں تھیں' حرص وطمع' بخل وخودغرضی اور حسد' نفرت' بغض اور غزوہ احد کی شکست میں دونوں کو دخل ہے' اس کے ثبوت میں قرآن کے لفظ ''ببعض ما کسبوا'' کا ترجمہ ''بعض کمزوریوں سے کیا گیا' جس پر نہایت عالمانہ ومحققانہ انداز سے حضرت مولانا اسحاق صدیقی سندیلوی تنقید فرماچکے ہیں۔ ملاحظہ ہو ''بینات'' بابت ماہ جون ۱۹۷۶ء مودودی صاحب کی اس تفسیر وتشریح سے واضح ہے کہ کمزوریوں سے مراد وہ بیماریاں لیتے جو عیوب اور بدترین عیوب ہیں' اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

لال مسجد انتظامیہ اور حکومت کے درمیان مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے حالیہ المناک سانحہ کے موقع پر لال مسجد انتظامیہ اور حکومت کے مابین مصالحت کی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے علماء کرام نے بہت کوششیں کیں اور مصالحتی فارمولا متفقہ طور پر طے ہوگیا' مگر اسے اچانک کالعدم کردیا گیا۔ مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم ان مذاکرات میں شروع سے آخر تک اہتمام کے ساتھ شریک تھے' حضرت نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں اپنے جمعہ کے خطاب میں پیش آمدہ حالات اور ان کی وجوہ واسباب پر مشتمل فکر انگیز اور چشم کشا تفصیلات بیان فرمائیں جونذر قارئین ہیں۔

بزرگان محترم وبرادران عزیز!

مجھے معلوم ہے کہ آپ حضرات لال مسجد سے متعلق حالات جاننے کے لئے بے تاب ہیں اور یہ جو خونی کھیل کھیلا گیا ہے اس سے رنجیدہ اور بے تاب ہوں گے۔ یقیناً پورا پاکستان بے تاب ہے۔ اخبارات' ریڈیو' ٹیلی ویژن کے ذریعے واقعات بڑی حد تک آپ حضرات کے سامنے آچکے ہیں۔ لیکن ہمیں میڈیا سے شکایت ہے اور اپنے ذرائع ابلاغ سے بھی شکایت ہے کہ حق بات کو جتنا کھول کر بیان کرنا چاہئے اتنا کھول کر بیان نہیں کرتے' بات کو دوٹوک انداز میں واضح نہیں کرتے' بلکہ گنجلک چھوڑ دیتے ہیں اور بعض ذرائع ابلاغ نے تو اس سانحہ کے موقع پر معاندانہ روش اختیار کررکھی ہے' خاص طور پر علماء' دین دار طبقہ اور باوقار شخصیات کے خلاف ایسی روش اختیار کررکھی ہے جیسے کسی دشمن کے خلاف ہوتی ہے' یہ ایک المناک صورت حال ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے۔ **اللہم انا نجعلک فی نحورہم ونعوذبک من شرورہم۔**

اس صورت حال کی فریاد ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرسکتے' کیونکہ ہمارے پاس طاقت نہیں' فوج

نہیں، اسلحہ نہیں اور اسلحہ کا استعمال اپنی حکومت کے خلاف جائز بھی نہیں' ان حالات میں سوائے اس کے کوئی اور چارۂ کار ہمارے پاس نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کریں اور اسی سے پناہ طلب کریں اور اپنے اپنے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے توبہ کریں' کیونکہ جتنے مصائب آتے ہیں' جتنی مشکلات اور مصیبتیں آتی ہیں وہ خود انسانوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں' ہمارے پاکستان میں سرکاری سطح سے لے کر نچلی سطح تک جس بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہے تو ایسے حالات میں جو بھی حوادث اور سانحات پیش آجائیں وہ غیر متوقع نہیں۔ ابھی بارش اور ہواؤں کا طوفان چل ہی رہا تھا اور ملک کا تقریباً آدھا حصہ اس میں تباہی کا شکار ہو رہا تھا کہ یہ دوسرا مسئلہ لال مسجد کا کھڑا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سارے فتنے پہلے ہی بتا دیئے تھے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا' دوسرا آجائے گا' دوسرا ختم نہیں ہوگا کہ تیسرا' فتنے آئے دن' لگاتار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آئیں گے۔

۱۲ رمئی کو بے گناہوں کے خون کی جو ہولی کھیلی گئی ہے جسے پوری دنیا میں ٹی وی نے نشر کیا سب نے دیکھ لیا۔ حتی کہ قتل کرنے والے لوگوں کے چہرے بھی دکھا دیئے گئے' لیکن آج تک ان میں سے کوئی نہیں پکڑا گیا۔ گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں' جبکہ لال مسجد والوں نے مطالبات بہت اچھے کئے تھے جو ہمارے دین اور ایمان کا تقاضہ ہے' لیکن طریقہ جو انہوں نے اختیار کیا وہ بزرگوں اور علماء کے طریقے کے خلاف تھا۔ سب نے ان کو اس غلط طریقہ کار کو اپنانے پر ٹوکا' سمجھایا مگر وہ نہیں مانے۔ لیکن پھر بھی ان کا جرم کیا تھا؟ اور طریقہ جو غلط تھا وہ کیا تھا؟

بچوں کی لائبریری پر انہوں نے جو قبضہ کیا تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ غلط تھا

بدکاری کے اڈے کو چلانے والی ایک خاتون کو انہوں نے پکڑا تھا' اس کے خلاف مطالبہ کرنا اور جو کوشش ہو سکتی تھی جائز ذرائع سے' قانونی طریقے سے ایسی کوششیں کرنا برحق تھا' لیکن اسے خود پکڑنا غلط تھا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ برسوں سے اس محلہ کے لوگ پولیس اور انتظامیہ کے پاس شکایتیں لے کر جا رہے تھے' مگر کوئی شنوائی نہیں ہو رہی تھی' اڈہ معمول کے مطابق چل رہا تھا' محلے کے لوگ پریشان تھے' شرفاء پریشان تھے' رات میں کتنے ہی بدکاری کرنے والے یہاں آتے تھے' اور ایک لڑکی نے تو آکر اپنی یہ دردناک داستان بھی سنائی تھی کہ:

''اس کو دھوکے سے اس اڈے پر لے جایا گیا پھر زبردستی اس کی عزت لوٹی گئی اور اس کے برہنہ فوٹو اتارے گئے اور اس کو کہا گیا کہ: اب تم ماں باپ کو بتاؤ گی تو فوٹو ہم شائع کر دیں گے' اور پھر اس کو بلیک میل کرتے رہے اور بار بار اس کی عزت لوٹنے کے لئے بلاتے رہے اور یہ بیچاری مجبور تھی' فریاد لے کر جامعہ حفصہ میں آئی''۔

لیکن ان تمام کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ شمیم نام کی عورت کو انہوں نے پکڑا' یہ غلط تھا۔ یہ کام ان کا نہیں تھا' اگر حکومت نہیں پکڑ رہی تھی تو آپ اخبارات میں دیتے کچھ اور طریقہ اختیار کرتے' لیکن یہ کام آپ کی حد سے باہر تھا' اس سے فتنہ پھیلتا' لڑائی ہوتی' اور حکومت سختی پر آمادہ ہوتی اور حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ

آپ کو معلوم ہے! پھر نتیجہ جو کچھ نکلنا تھا وہ نکلا۔

تیسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ مساج (Massag) سینٹر' (مخلوط مساج سینٹر جس میں بدن پر مالش کی جاتی ہے)' مالش کرنے والی کون ہیں؟ چینی عورتیں اور کروانے والے کون ہیں؟ مسلمان مرد' اسلام آباد کے مرد' تقریباً ننگے ہوکر یہ مساج ہوتا ہے۔ تو یہ قانون کے بھی خلاف تھا' آئین پاکستان کے بھی خلاف تھا اور دینی تعلیمات وروایات کے بھی خلاف تھا' ہر اعتبار سے جرم تھا' جنہوں نے اس سینٹر کو لائسنس دیا تھا' انہوں نے بھی جرم کیا تھا' لال مسجد والوں کی غلطی بس یہ تھی کہ وہ ان چینی عورتوں کو پکڑ کر اپنے پاس لے آئے اور برقعہ پہنا کر واپس کردیا۔

چوتھا کام یہ ہوا کہ پولیس کے آدمیوں نے لال مسجد کے طلبہ کو گرفتار کیا' تو انہوں نے جواباً پولیس والوں کو گرفتار کیا۔۔ یہ چوتھی غلطی تھی۔ تو غازی برادران کی کل غلطیاں کتنی ہوئیں؟ ایک یہ کہ شمیم کو پکڑ کر لائے مگر مارے پیٹے بغیر ان کو واپس کردیا' دوسری یہ کہ چینی مساج سینٹر کی خواتین کو لے کر آئے' اوران کو مارے پیٹے بغیر واپس کردیا' تیسری یہ کہ اپنے طلباء کو چھڑانے کے لئے پولیس کے بعض لوگوں کو پکڑا' چوتھی غلطی یہ تھی کہ لائبریری پر قبضہ کیا' یہ چاروں غلطیاں ہم مانتے ہیں۔ ہم ان کی کوئی تاویل نہیں کرتے' ہم ان کو بتاتے رہے کہ تم غلط کررہے ہو' تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا' حکومت کے اندر حکومت قائم کرنا' ریاست کے اندر ریاست قائم کرنا' یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے' اس کو شریعت جائز نہیں کہتی۔

عجیب بات ہے آج مغربی دنیا' ہمارے قلم کار' کالم نگار' صحافی' اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھئے مدرسے بدنام ہوگئے' مدرسے ایسے ہوتے ہیں' لاقانونیت پھیلانے والے ہوتے ہیں' اسلحہ بندی کرنے والے ہوتے ہیں' زبردستی کرنے والے ہوتے ہیں' تشدد پسند ہوتے ہیں' انتہاء پسند ہوتے ہیں۔ تو مدارس کے بارے میں دنیا میں کیا تصور قائم ہوگا؟ مجھ سے ایک ٹی وی والوں نے اسی قسم کا ایک سوال کیا' تو میں نے کہا کہ: مجھے تعجب ہے کہ آپ یہ بات کہہ رہے ہیں' حالانکہ یہ بات آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جامعہ حفصہ کی ان چار باتوں کو سب نے مل کر غلط کہا' جس پر ذرائع ابلاغ گواہ ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے جو مدارس ملحق ہیں' ان میں جامعہ فریدیہ (اور طالبات کے لئے جس کے کیمپس کا نام جامعہ حفصہ تھا) ایک بڑا مدرسہ تھا' اس میں اور اس کی شاخوں میں تقریباً دس ہزار طلباء وطالبات زیر تعلیم تھیں' لیکن وفاق المدارس نے صرف اس وجہ سے اس مدرسہ کے الحاق کو ختم کردیا کہ وفاق المدارس ان کی اس لاقانونیت کو صحیح نہیں سمجھتا تھا' اس انتہاء پسندی کو صحیح نہیں سمجھتا تھا' اس تشدد کو جائز نہیں کہتا تھا' چنانچہ وفاق المدارس نے صرف اسی وجہ سے اس مدرسے کا رجسٹریشن منسوخ کردیا' اساتذۂ طلبہ وطالبات کی درخواستیں اور فون مسلسل آتے رہے' کہ ہمارا سال ضائع ہونے سے بچالیجئے' لیکن ہم نے کہا نہیں'

حالانکہ کارروائی جامعہ حفصہ میں ہورہی تھی، لیکن کاروائی کرنے والے چونکہ مولانا عبدالعزیز صاحب تھے، وہی جامعہ حفصہ کے بھی مہتمم تھے اور جامعہ فریدیہ کے بھی' اس لئے ہم نے جامعہ فریدیہ کے الحاق کو بھی منسوخ کردیا اوران کے طلباء وطالبات کو بھی سالانہ امتحان میں شامل کرنے سے انکار کردیا' یہ ایک بہت مشکل فیصلہ تھا مگر ہمیں کرنا پڑا۔

وفاق المدارس نے اپنا اعلامیہ بار بار شائع کیا' یہ سب باتیں جو میں غازی برادران کی غلطیوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں' وفاق المدارس نے اپنے اعلامیہ میں بیان کردی تھیں' کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وفاق المدارس اپنے کسی مدرسے کی انتہاء پسندی کو' دہشت گردی کو جائز قرار نہیں دیتا' نہ صرف یہ کہ جائز قرار نہیں دیتا' بلکہ ایسے کسی مدرسے کے الحاق کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے' جس کے اندر انتہاء پسندی ہو' یا تشدد کا راستہ اختیار کیا جارہا ہو یا قانون کو ہاتھ میں لینے کا ڈھنگ اختیار کیا جارہا ہو۔

پھر نہ صرف وفاق المدارس بلکہ' پورے ملک کے تمام مدارس اور علماء نے' بلکہ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے جامعہ حفصہ کے منتظمین کے اس غلط طریقہ کار کی مذمت کی' اس کو غلط کہا' کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ تمام مدارس دینیہ اور تمام علماء کرام' انتہاء پسندی کے خلاف ہیں' تشدد کے خلاف ہیں' لاقانونیت کے خلاف ہیں' قانون کو ہاتھ میں لینے کے خلاف ہیں۔

اس واقعہ سے تو پوری دنیا میں یہ پیغام جانا چاہئے کہ تمام مدارس اور علماء انتہاء پسندی اور دہشت گردی اور تشدد کے راستہ کو غلط سمجھتے ہیں اور اتنا غلط سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پرانے ساتھیوں کو بھی اپنے وفاق سے الگ کردیا۔ میں نے ٹی وی والوں سے کہا کہ: آپ دنیا کو یہ پیغام دیجئے اور جو زمینی حقیقت ہے' اسے واضح کیجئے۔لیکن ہماری حکومت نے یہ کیا کہ لال مسجد کے حضرات کے ان چار مطالبات میں سے کسی ایک مطالبہ پر بھی کوئی کاروائی نہیں کی' آج تک پاکستان کے لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ کسی طرح یہ معلوم ہو کہ آنٹی شمیم کے اڈے کی سرپرستی جو حکام برسوں سے کررہے تھے' وہ کون سے حکام تھے؟ جنہوں نے اس اڈے کو چلانے کی اجازت دے رکھی تھی۔اس میں کون لوگ حرام کاری کے لئے آتے جاتے تھے؟ کیا وہ سب بے گناہ ہیں؟ معصوم ہیں؟ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا؟ کیا جرم صرف انہوں نے کیا جو شمیم کو اپنے پاس امن وامان کے ساتھ لے کر آئے اور اس سے توبہ کرا کر اس کو واپس کردیا۔

بتایئے! اس میں جرم کس کا زیادہ ہے؟ اڈہ چلانے والوں کا؟ یا جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کا؟

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے اندر مسجدیں شہید کی گئیں' اللہ کے گھروں کو شہید کیا گیا۔تو یہیں سے لال مسجد وجامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے تحریک کا آغاز کیا' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے اس ایک طرفہ رویہ نے انہیں تحریک چلانے پر مجبور کیا۔

ہماری حکومت کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب تک لاقانونیت کا راستہ اختیار نہ کیا جائے، توڑ پھوڑ نہ کی جائے، اس وقت تک یہ کوئی مطالبہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یہ بات ہم نے وزیر اعظم سے بھی کہی، بلکہ مشترک میٹنگ میں بھی کہی تھی، (جس میں صدر، وزیر اعظم ان کے کئی وزراء اور فوجی جنرل بھی شریک تھے) کہ حکمران جس طریقہ کو اپناتے ہیں اگر یہ طریقہ رہے گا تو کبھی ملک میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا، آپ سنجیدہ گفتگو میں ہماری بات سنتے نہیں، دلائل کی بات مانتے نہیں، قرآن وسنت کی بات کو کان دھر کر سننے کے لئے تیار نہیں، آئین اور قانون کی کوئی بات آپ سننے کے لئے تیار نہیں، اپنی من مانی اور خلاف اسلام پالیسیوں پر آپ ڈٹے رہیں گے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام اٹھ کھڑے ہوں گے، جذباتی اور جوشیلے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں گے پھر وہ نہ ہماری سنیں گے، نہ آپ کی سنیں گے۔

چنانچہ جامعہ حفصہ میں یہی ہوا، مسجدیں شہید کی گئیں، لوگوں نے اس پر احتجاج کیا، ذمہ داران سے باتیں کیں، علماء نے بھی افسران بالا سے ملاقاتیں کیں، مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، تو جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے جواباً کہا کہ: تم نے ہمارے اللہ کے گھروں کو شہید کیا ہے، ہم تمہاری لائبریری پر قبضہ کرتے ہیں۔

جامعہ حفصہ کے حضرات کی بات صحیح تھی، طریقہ غلط تھا، علماء کرام نے اور ان کے بزرگوں نے، بلکہ وفاق المدارس العربیہ کے ارکان نے جاکر سمجھایا، لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ: آپ یہ بتلائیے! کہ کیا یہ حکمران ایسے ہیں کہ سختی کے بغیر بات سنیں؟ ماننے کا مسئلہ تو بعد کی بات ہے سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، آپ بتائیے! کہ ہم کیا کریں؟ ہم نے کہا کہ: آپ صبر سے کام لیں، اللہ سے دعا مانگیں اور قانونی راستے سے نہ ہٹیں، لیکن وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اب سوال یہ کہ حکومت کے نزدیک ان کے کتنے جرائم تھے؟ چار جرائم تھے کہ شمیم کو پُرامن طریقے سے لے کر آئے اور پھر پُرامن طریقہ سے واپس پہنچادیا۔ چینی عورتوں کو بھی پُرامن طریقے سے لے کر آئے اور پُرامن طریقہ سے واپس کردیا، ان کی خاطر مدارات بھی کرتے رہے۔ چلڈرن لائبریری پر قبضہ کیا، اس میں کوئی تخریب کاری نہیں کی، کوئی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچی، ان تمام کاموں میں کسی کو ایک کانٹا تک نہیں چبھا، کسی ایک کو تھپڑ تک نہیں لگایا، ڈنڈوں کا شور تو پوری دنیا میں ہوگیا کہ۔ ڈنڈا بردار شریعت! ڈنڈا بردار شریعت۔ لیکن کوئی ایک مثال بتلائیے کہ ان طلباء نے کوئی ڈنڈا استعمال کیا ہو۔

ہمیں بتایا جائے کہ ان چار میں سے کوئی ایک جرم بھی ایسا ہے جس کی سزا پاکستان کا قانون سزائے موت تجویز کرتا ہو؟ لیکن قانون سے بالاتر ہوکر ماورائے عدالت صرف اس جرم پر سینکڑوں طلباء وطالبات اور حفاظِ قرآن کا خون کردیا گیا، بتائیے! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اور یہاں کراچی میں ۱۲ مئی کو خون کی ہولی کھیلی گئی،

چالیس یا اس سے زیادہ لاشیں گرادی گئیں، قتل کرنے والوں کو دنیا نے دیکھ لیا، ٹی وی نے دکھلا دیا، آج تک کوئی قاتل گرفتار نہیں ہوا، یہ کہتے ہیں کہ جامعہ حفصہ کے لوگوں نے حکومت کی رٹ (Rit) کو چیلنج کیا تھا، تو کیا چالیس لاشیں گرانے والوں نے تمہاری رٹ کو چیلنج نہیں کیا تھا؟ یہاں اپنی رٹ کی حفاظت کی تمہیں کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی؟ لیکن چونکہ کراچی کے ان مظلوموں کی کوئی دادرسی کرنے والا نہیں تھا، اور قاتل غنڈوں کی پشت پناہی کرنے والی، غیرملکی طاقتیں تھیں، اس واسطے تمہیں نہ ان مظلوم چالیس سے زیادہ لاشوں پر رحم آیا اور نہ ان ظالم قاتلوں پر تمہیں کچھ غصہ آیا اور نہ تمہیں اپنی رٹ کی کوئی پرواہ ہوئی کہ تمہاری رٹ کو چیلنج کیا جارہا ہے۔

آج تمہاری رٹ کو نیٹو کی فوجیں چیلنج کررہی ہیں، بے گناہ پاکستانی مسلمانوں پر وہ بمباری کررہی ہیں، اور میزائل برسارہی ہیں، کتنے پاکستانی مسلمان شہید ہوچکے ہیں، ہوائی جہازوں سے بھی بمباری کی ہے۔ وہاں تمہیں اپنی رٹ کی فکر نہیں ہوئی، اس لئے کہ تم ان کی رٹ کا تحفظ کررہے ہو اور تم اپنی پاک سرحدوں پر اپنی رٹ سے دست بردار ہوچکے ہو، وہاں تمہیں غیرت نہیں آتی، تمہیں اپنے قانون کی عزت پامال ہوتی نظر نہیں آتی، ہاں! اپنے مظلوم بھائیوں، بہنوں اور بیٹوں، بیٹیوں کے اوپر تمہاری بہادری چلتی ہے، بے گناہوں پر، عورتوں پر، بچوں پر، نہتوں پر، تمہاری بہادری جوش مارتی ہے۔

وہ پاکستانی فوج جس نے اللہ کے فضل وکرم سے ۱۹۶۵ء کے جہاد میں اپنی طاقت، اپنی مہارت، اپنی بہادری، اپنی قربانی، اپنے ایمان کا لوہا منوایا تھا۔ اور آج تک الحمد للہ! ہماری فوج کے بارے میں یہی تاثر ہے کہ مجموعی طور پر ہماری فوج ایمان سے سرشار ہے، اور دنیا کی بہترین فوجوں میں داخل ہے۔ اس فوج کو پاکستان کے عوام نے اپنا پیٹ کاٹ کر، ٹیکس دے دے کر پالا اور نوازا ہے، یہ ہماری امانت ہے، ہماری پونجی ہے، ہماری طاقت ہے، ہماری سرحدوں کی محافظ ہے، ہمیں اس پر فخر ہے، لیکن تم ہماری اس فوج کو بزدلانہ، ظالمانہ اور احمقانہ مہمات میں استعمال کررہے ہو، ہماری اس بہترین فوج کو جو قوم نے دشمنان اسلام کے لئے تیار کی تھی، جس فوج کو پاکستان کی حفاظت کے لئے تیار کیا گیا تھا، آج تم اس بہترین فوج کو دشمنوں کے حکم پر چلانے کی فکر میں ہو اور اس کے آٹھ سو سے زیادہ جوانوں اور افسروں کا خون کرواچکے ہو، آج تمہاری بہادری کشمیر میں نہیں چلتی، کارگل سے ساری فوجیں لے کر آگئے، نہ تمہاری بہادری پاکستان کی مغربی سرحدوں کی حفاظت پر چلتی ہے کہ تم نیٹو کی فوجوں کو پاکستان کی مقدس سرحدوں کو روندنے سے روک سکو، تمہاری بہادری اب چل رہی ہے، باجوڑ کے مدرسہ پر، وہاں کے مظلوم طلباء کو قتل کرنے پر، تمہاری بہادری اب چل رہی ہے، جامعہ حفصہ کے مدرسہ پر، وہاں کے مظلوم طلباء وطالبات پر، یہ تمہاری بزدلانہ، ظالمانہ اور سفاکانہ حرکتیں ہیں، تم پھر یہ کہتے ہو کہ امن وامان قائم رہنا چاہئے، امن وامان پامال کرنے کے سارے راستے تو تم اختیار کررہے ہو، پھر ہم سے کہتے ہو کہ امن وامان قائم کرنے میں

علماء اپنا کردار ادا کریں۔

حکومت کی ان غلط حرکتوں کے باوجود امن وامان کو قائم کرنے کے لئے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے قضیہ میں علماء اپنا کردار ادا کرنے اتوار کو اسلام آباد گئے' پہلے تو چوہدری شجاعت حسین سے بات ہوئی ان کو ہم (وفاق المدارس العربیہ کے ارکان) نے اپنی تجاویز دیں' انہوں نے کہا کہ: یہ بات میں صدر تک پہنچاتا ہوں' اور ہم نے جو فارمولا پیش کیا تھا' وہ ان کی سمجھ میں آ گیا اور کہا کہ: میں حکام بالا سے بات کرتا ہوں۔

رات کو ہمارے پاس وفاقی وزیر مذہبی امور اعجاز الحق صاحب آ گئے' ان کے سامنے بات رکھی' بالآخر تھوڑی سی رد وقدح کے بعد وہ بھی قائل ہو گئے کہ فارمولا ایسا ہے کہ اس پر عمل ہو سکتا ہے' حکومت کی رٹ بھی برقرار رہے گی' قانون کا احترام بھی برقرار رہے گا اور کشت وخون سے بھی بچ جائیں گے اور معاملہ ختم ہو جائے گا' مگر انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا' بلکہ صرف یہ کہا کہ: وزیر اعظم سے ہم آپ کی ملاقات کراتے ہیں' تو میں نے اعجاز الحق صاحب سے کہا کہ: یہ بتلایئے کہ! وزیر اعظم فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ: ''سو فیصد وہ فیصلہ کی پوزیشن میں ہیں''۔ انہوں نے اگلے دن پیر کے روز' وزیر اعظم سے ہمارے وفد کی ملاقات کرادی' وہاں بھی وہ فارمولا رکھا گیا' اس میں انہوں نے اپنی مشکلات بیان کیں جو اعجاز الحق صاحب بھی بتا رہے تھے' مگر ان سب مشکلات کا حل طے کر لیا گیا' وزیر اعظم کے ساتھ اس میٹنگ میں طے ہو گیا کہ عبد الرشید غازی کو گرفتار نہیں کریں گے (کیونکہ اس نے ٹیلیفون پر ہم سے بار بار کہا کہ میں جان دے دوں گا مگر گرفتاری نہیں دوں گا)۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا عبد العزیز صاحب کو گرفتار کرکے جس طریقہ سے ان کی بے عزتی کی گئی اور جس انداز سے ان کی PTV پر تضحیک کی گئی' اور طلباء کو گرفتار کرکے ان کی قمیص اتار اتار کر' ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر' ذلیل رسوا کرکے ان کو ٹی وی پر دکھایا گیا' اس وجہ سے وہ اس بات پر جم گئے تھے کہ: ''ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے''۔

عبد الرشید غازی مرحوم نے فون پر مجھ سے بار بار کہا کہ میں گرفتاری دینے کے لئے تیار نہیں ہوں' ہرگز تیار نہیں ہوں' میں جان دے دوں گا' گرفتاری نہیں دوں گا۔ البتہ اس کے لئے تیار ہوں کہ مجھے' میری بیوی' بچوں کو میرے ضروری سامان سمیت میرے گاؤں میں پہنچا دیا جائے' میں جامعہ حفصہ کو بھی چھوڑتا ہوں' جامعہ فریدیہ کو بھی چھوڑتا ہوں' لال مسجد کو بھی چھوڑتا ہوں' چلڈرن لائبریری کو بھی چھوڑتا ہوں' جتنا اسلحہ ہے' وہ بھی آپ کے سپرد کر دوں گا' مجھے اپنے گھر جانے دیا جائے' البتہ جامعہ حفصہ کو اور جامعہ فریدیہ کو میں وفاق المدارس کی تحویل میں دوں گا' تاکہ مدرسوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے' مسجد محکمۂ اوقاف سنبھال لے' وہ اس کا انتظام چلائے' چنانچہ یہ معاہدہ طے پایا' زبانی بات بھی ہو گئی اور وزیر اعظم نے کہا کہ: اس پر عمل شروع کیجئے' یہ ظہر کے بعد کا وقت تھا۔

پھر اس پر عملدرآمد کے لئے چوہدری شجاعت حسین صاحب اور وزیر مذہبی امور اعجاز الحق صاحب' محمد علی درانی صاحب وزیر اطلاعات اور وزیر مملکت برائے اطلاعات ونشریات طارق عظیم اور ہمارا وفد گاڑیوں میں جلوس کی شکل میں لال مسجد کے قریب گیا' ممنوعہ علاقہ ہمارے لئے کھول دیا گیا' لیکن آگے جاکر جہاں سے لال مسجد جانے کا مرحلہ تھا' وہاں سے ہمیں پیدل جانا تھا' مگر رینجرز کا حاکم اعلیٰ (کون تھا وہ کس عہدہ کا آدمی تھا مجھے نہیں معلوم) اس نے آگے جانے سے روک دیا اور کہا کہ: آپ آگے نہ جائیں' وزیروں سے بھی کہہ دیا اور چوہدری شجاعت حسین سے بھی' اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کو معلوم ہی نہیں کہ ہمارا کوئی معاہدہ ہو رہا ہے' اس پر کوئی عملدرآمد ہونا ہے' اس کو اس معاہدہ سے کوئی سروکار معلوم نہیں ہوتا تھا' وہ کہہ رہا تھا: آگے نہیں جاسکتے' کیوں نہیں جاسکتے؟ کہا کہ رسک (Risk) ہے' (ہمیں یہ خطرہ ہے کہ وہ آپ کو یرغمال بنالیں گے) تو ہمارے ساتھ جو علماء کراچی سے گئے ہوئے تھے' انہوں نے کہا کہ: ہم یہ خطرہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں' اور ہمیں امید ہے کہ وہ ہمیں یرغمال نہیں بنائیں گے' آخر وہ ہمارے بھائی ہیں' ہم جاتے ہیں اور بات کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں ان کو بتاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ: نہیں' یہ نہیں ہوگا۔

ہم نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دے دی تھی کہ اگر آپ اپنی ذمہ داری پر جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں' لیکن ہمارے بعض ساتھیوں نے رازداری سے آکر مجھ سے کہا کہ: ایک چیز کا خطرہ ہے کہ مسجد کے آس پاس' درختوں کے پیچھے سب جگہ یہ رینجرز کے اہلکار موجود ہیں' قوی اندیشہ یہ ہے کہ ان ہی میں سے کوئی ہمارے ان ساتھیوں پر فائر کرکے مارڈالے گا اور الزام عبدالرشید غازی پر لگا دیا جائے گا۔ یہ خطرہ واقعی توجہ طلب تھا' اس لئے ہم نے ان ساتھیوں کو یہ خطرہ مول لینے سے روک دیا اور طے پایا کہ قریب میں ایک مکان جو رینجرز کی تحویل میں تھا' اس میں بیٹھ کر مصالحتی فارمولے کی تحریر لکھیں گے اور طریقہ کار اسی اصول کے تحت طے ہوگا جو وزیر اعظم کے ساتھ میٹنگ میں طے پاچکا ہے' وزراء کے مشورہ سے مولانا زاہد الراشدی اور طارق عظیم وزیر مملکت برائے اطلاعات ونشریات نے یہ مسودہ تیار کیا' ایک ایک لفظ پر سب کا غور وفکر ہوا' مشورہ ہوا' جہاں پر جس کو جو تحفظات تھے' ان کو دور کیا گیا۔

اسی دوران عبدالرشید غازی کا ایک نمائندہ آگیا' اس کے ذریعہ مسلسل عبدالرشید غازی سے ٹیلیفون پر رابطہ کرتے رہے' ان کے فون کی بیٹری ختم ہوگئی تھی' باہر سے ایک فون اندر بھیجا گیا تاکہ ان سے اطمینان سے بات چیت ہوسکے' تمام باتوں سے انہوں نے بھی اتفاق کرلیا۔

البتہ عبدالرشید غازی مرحوم ہم سے فون پر مسلسل یہ اصرار کررہے تھے کہ آپ وزراء کو لے کر یہاں آجائیں' تاکہ میں اسلحہ دکھادوں کہ میرے پاس کونسا اسلحہ ہے' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ مجھے یا تو مار

دیں گے یا دھوکے سے گرفتار کرلیں گے اور بعد میں اسلحہ یہاں لاکر میڈیا کو دکھادیں گے کہ یہ اسلحہ اندر سے برآمد ہوا ہے' آپ سے میری درخواست ہے کہ خدا کے لئے آپ یہاں تشریف لائیں' تاکہ میں اسلحہ دکھادوں' لیکن وہاں جانے کا راستہ بند کردیا گیا تھا' ہمارے لئے بھی اور وزراء کے لئے بھی اور میڈیا کے لئے بھی۔

بالآخر معاہدہ تحریر ہوگیا' ساری بات طے ہوگئی' ہم نے بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اعجاز الحق صاحب تو یہاں تک کہنے لگے کہ آج اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو میں دودن کے بعد عمرے کے لئے روانہ ہو جاؤں گا' ایک ہفتے سے جو ذہنی پریشانی ہے' وہ ختم ہو جائے گی۔

اب اس متفقہ تحریر پر دستخط کرنے کا وقت آیا تو یہ حضرات نیچے یا اوپر ہی کے صحن میں چلے گئے یہ ایک چھوٹا سا دو منزلہ مکان تھا' بالائی کمرے میں ہم تھے (جس میں مسودہ لکھا جارہا تھا) اب یہ حضرات تھوڑی دیر بعد اوپر آکر کہنے لگے کہ: ہمیں ایوانِ صدر جانا ہے اور صدر سے اس کی اجازت لینی پڑے گی' ہمیں تعجب ہوا کہ وزیر اعظم نے بھری مجلس میں یہ فیصلہ کیا اور اسی فیصلہ کے مطابق یہ ساری تفصیلات لکھی گئیں' وزراء کی کمیٹی نے مسودہ ہمارے ساتھ مل کر طے کیا' چوہدری شجاعت حسین بھی اس پوری کارروائی میں شریک رہے وہ ہمارے ساتھ موجود ہیں' اب ایوانِ صدر سے اجازت لینے کی کیا ضرورت؟ جب کہ وزیر اعظم نے میٹنگ میں ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ آج ہمارا صدر پرویز سے بھی اس معاملہ میں مشورہ ہو چکا ہے' عبدالرشید غازی صاحب بھی تیار ہو چکے تھے' اور اب ہم نے اس موضوع پر گفتگو شروع کی تھی کہ مسجد کے اندر طلبہ سارے بھوکے ہوں گے' ان کے لئے کھانے کا انتظام کرنا ہوگا۔ مدرسہ میں طالبات اور خواتین بھوکی ہوں گی' ان کے لئے بھی کھانے کا انتظام کرنا ہوگا' یہ بھی طے ہوگیا تھا کہ چار حکومتی ارکان اور چار افراد ہم' ان طالبات کو اپنی تحویل میں لیں گے اور انہیں محفوظ مقام پر منتقل کرکے ان کے سرپرستوں کے حوالے کردیں گے اور طلباء کو بھی یہی کمیٹی اپنی تحویل میں لے گی اور محفوظ مقام تک پہنچادے گی۔ ان پر اگر کوئی مقدمہ ہوا تو دیکھا جائے گا اور جن پر کوئی مقدمہ نہ ہوا' انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ البتہ جن پر اس واقعہ سے پہلے کا مقدمہ ہوگا تو انہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔ اب یہ حضرات یہ کہہ کر صدر جنرل پرویز کے پاس چلے گئے کہ ہم آدھے گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔

ہم دن بھر بے آرام رہے تھے اور اس سے پہلے والی رات بھی جاگتے رہے تھے' اب یہ اذیت ناک وقفہ بیچ میں آگیا۔ اور خطرہ ہونے لگا کہ: ایوانِ صدر میں کہیں گڑبڑ تو نہیں ہو جائے گی' تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد وہ واپس آئے اور جب وہ حضرات آئے تو ان کا رنگ بدلا ہوا تھا' وہ ایک صفحے پر تین نکات لکھ کر لائے تھے' الفاظ تو خوبصورت تھے' جیسے کہ آج کل سرکاری لوگوں کے ہوا کرتے ہیں' لیکن حاصل ان کا یہ تھا کہ جن باتوں کی پیش کش عبدالرشید غازی کو کی گئی تھی' ان تمام باتوں سے انکار کردیا گیا تھا۔

مثلاً اس نئی تحریر میں پہلا نکتہ یہ لکھا تھا کہ: عبدالرشید غازی اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلیں

گے' ان کو اور ان کے گھر والوں کو ان کے ذاتی سامان سمیت ''گھر'' میں رکھا جائے گا' ہم نے کہا کہ: کون سے گھر میں رکھا جائے گا؟ عبد الرشید غازی تو پہلے سے کہہ چکے ہیں کہ میں کسی نظر بندی کو قبول نہیں کروں گا اور کسی سرکاری گھر یا بنگلے میں نہیں رہوں گا' بلکہ اپنے گاؤں کے گھر میں چلا جاؤں گا' چنانچہ مصالحتی فارمولے میں یہ لکھا جا چکا تھا کہ: ان کو ان کے گاؤں کے گھر میں رکھا جائے گا' جب کہ اس مسودہ میں لکھا تھا کہ ''گھر'' میں رکھا جائے گا۔ ہم نے پوچھا کہ کس گھر میں؟ طارق عظیم کہنے لگے کہ: کسی گھر میں رکھا جائے گا' تو ہم نے کہا کہ: لکھوا ان کے گاؤں کے گھر میں رکھا جائے گا۔ کہنے لگے کہ: نہیں' صاحب! یہ نہیں ہوسکتا اور اس میں کوئی لفظ آگے پیچھے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی لفظ کم وبیش ہوسکتا ہے' کیونکہ یہ ہم وہاں سے حتمی منظوری کے بعد لے کر آئے ہیں اور اس تحریر کی فوٹو کاپی ایوانِ صدر میں محفوظ کرلی گئی ہے' اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی' اور مجھ سے طارق عظیم نے چپکے سے کہا کہ: دیکھئے! ہمیں صرف آدھے گھنٹے کی مہلت دی گئی ہے' اس کے اندر ''ہاں'' یا ''نہ'' کروا لیجئے اور پھر کہا کہ: پندرہ منٹ گزر چکے ہیں' تو میں نے کہا کہ: دیکھئے! یہ وہ معاہدہ تو رہا نہیں جس پر ہم نے عبد الرشید غازی سے بات کی تھی اور ان کو بمشکل تیار کیا تھا' اب یہ ایک نئی چیز آئی ہے' اس کی ذمہ داری ہم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں' عبد الرشید غازی کا نمائندہ یہاں موجود ہے' اس کو مسودہ دکھا لیجئے' اگر یہ عبد الرشید غازی سے منظور کروا لیتے ہیں تو بہت اچھی بات ہے۔ چنانچہ عبد الرشید غازی سے فون پر رابطہ کیا گیا' مگر انہوں نے اس نئی تحریر کو ماننے سے صاف انکار کردیا۔

ابھی ہماری یہ بات ہورہی تھی کہ ایک کمانڈر فوج یا رینجرز کا اللہ بہتر جانتا ہے' کمرہ میں آکے کھڑا ہوگیا' (چھوٹا سا کمرہ تھا' جس میں مشکل سے ہم چار علماء اور چار حکومتی نمائندے تھے) اور مخصوص انداز میں ہمیں اور اپنی گھڑی دیکھنے لگا۔ گویا وہ اشارہ کررہا تھا کہ براہ کرم آپ تشریف لے جائیں۔۔ چنانچہ ہم نے بھی آپس میں یہ طے کیا کہ ابھی یہاں ٹھہرنا بیکار ہے' ان کی نیتیں خراب ہیں' ہمارے بعض ساتھیوں نے جو نیچے زمینی منزل میں تھے' بعد میں بتایا کہ: ایک فوجی افسر نے آکر ان سے کہا کہ: آپ لوگ چلے جائیں' بہرحال نیچے کمرے میں ساتھی ہمارے منتظر تھے' ان کو ساتھ لیا اور گاڑیوں میں بیٹھ کر انتہائی رنج وغم کے ساتھ چلے آئے' اس وقت رات کے تقریباً ڈھائی بج چکے تھے' اب ہم نے طے کیا کہ جس ہوٹل میں ہمارا قیام ہے' وہاں پہنچ کر باہم مشورہ کریں گے۔۔ (اس ہوٹل میں اپنے قیام کا انتظام ہم نے خود کیا تھا' حکومت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا' مصارف سفر وغیرہ کا انتظام بھی ہم نے خود کیا تھا)۔

امکانی طور پر امید کی ایک ہلکی سی کرن اب بھی باقی تھی' وہ یہ کہ عبد الرشید غازی کا نمائندہ وہاں چوہدری شجاعت حسین اور وزیروں کے پاس موجود تھا' وہ فون پر عبد الرشید غازی سے دوبارہ رابطہ کررہا تھا' عبد الرشید غازی ہمارے سامنے تک تو اس نئے مسودے سے حتمی طور پر سختی سے انکار کر چکے تھے' اور کہہ چکے تھے کہ یہ

دھوکہ بازی ہے‘ اس نئے مسودے کا حاصل سوائے اس کے نہیں کہ مجھے گرفتار کیا جائے‘ اور میں اسے قبول نہیں کرتا‘ میں گرفتاری کے مقابلے میں شہادت کو ترجیح دوں گا۔ اسی کے بعد وہاں سے مایوس ہوکر ہم واپس ہوئے تھے‘ لیکن یہ ہلکی سی امید ذہن میں آنے لگی تھی کہ شاید دونوں فریقوں کے درمیان نئے مسودے پر کوئی سمجھوتہ ہوجائے‘ ہم نے اپنے موبائلوں کو بند کردیا تھا‘ کیونکہ مختلف ٹی وی چینلز بار بار رابطے کررہے تھے اور ہمیں خطرہ تھا کہ اگر ہم نے ابھی سے یہ کہہ دیا کہ مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں تو جو ایک ہلکی سی امید مصالحت کی دل میں آرہی ہے‘ اس کو نقصان پہنچے گا‘ اسی اندیشے کے پیش نظر ہم سب سے اپنے اپنے موبائل بند کردیئے اور یہ طے کیا کہ کوئی بھی انفرادی طور پر اس بات کا اعلان نہیں کرے گا۔ اب فجر کی نماز کا وقت ہوگیا تھا‘ تو طے کیا کہ نماز فجر پڑھ کر ہم کچھ دیر کے لئے اپنے کمروں میں چلے جائیں گے پھر مشورہ کرکے اعلان کیا جائے گا‘ اچانک مجھے پتہ چلا کہ وہاں تو حملہ شروع ہوچکا ہے‘ زبردست بمباری اور گولہ باری ہورہی ہے‘ جیسے کسی دشمن ملک پر چڑھائی کی جاتی ہے اور خوفناک تباہی پھیل رہی ہے‘ ٹی وی پر ان المناک مناظر کے ساتھ طرح طرح کے تخمینے اور قیاس آرائیاں ہورہی تھیں کہ یہ کیا قصہ ہوا؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہ بات ہورہی تھی کہ مذاکرات کامیاب ہوگئے ہیں‘ اب اچانک یہ کیا ہوا؟ انداز ے سے کوئی کچھ کہہ رہا تھا‘ کوئی کچھ‘ سخت کنفیوژن پھیلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہم نے تو یہ طے کیا تھا کہ کوئی انفرادی طور پر اعلان نہیں کرے گا‘ مشورہ کرکے پریس کانفرنس میں اعلان کیا جائے گا‘ مگر اب جبکہ حملہ پوری شدت سے شروع ہوچکا ہے‘ سارا ملک کنفیوژن میں مبتلا ہے‘ لوگ سخت پریشان ہیں اس لئے میں نے اپنے موبائل کا سوئچ کھول دیا‘ کھولتے ہی فوراً جیو ٹی وی کا فون آگیا‘ وہ پوچھ رہے تھے کہ کیا قصہ پیش آیا؟ یہ تو آپریشن شروع ہوگیا ہے‘ میں نے سارا واقعہ بیان کردیا‘ اس وقت صبح کے تقریباً ۵ربجے تھے‘ اور فوراً ہی انہوں نے یہ خبر دنیا کو سنادی‘ تو آٹھ بجے کے قریب جناب حامد میر آگئے اور بڑے دکھ سے کہنے لگے کہ دیکھئے یہ وزراء کتنا جھوٹ بول رہے ہیں‘ خدا کے لئے صورتحال بتلائیے‘ وہ کیمرہ بھی ساتھ لائے تھے‘ میں نے ان کو وہ ساری روئیداد جو صبح ۵ربجے میں جیو کو فون پر سنا چکا تھا‘ مزید تفصیل کے ساتھ جناب حامد میر کو سنادی‘ انہوں نے اسکو ریکارڈ کرلیا اور کہا کہ میں آدھے گھنٹے میں اس کو نشر کردوں گا‘ مگر انہوں نے شام کو کسی وقت نشر کیا جبکہ اس سے پہلے ہماری پریس کانفرنس بھی ہوچکی تھی۔

یہ ساری المناک دردبھری روئیداد ہے‘ مجھ سے کسی ٹی وی چینل کے نمائندے نے پوچھا کہ آپ اس خون ریزی کی ذمہ داری کس پر ڈالتے ہیں؟ میں نے کہا‘ ایوانِ صدر پر۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے‘ ہم پر اور ہمارے وطن پر رحم فرمائے‘ اور جو خطرات منڈلارہے ہیں‘ اللہ ان سے بچالے، آمین۔

جناب حامد میر کے نام کھلا خط!

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

لال مسجد کے سانحے پر جس طرح پوری قوم صدمے سے نڈھال ہے اس سے آپ سے زیادہ کون واقف ہوگا؟ اور اس سلسلے میں آپ نے جو موقف اختیار کیا اور جو کوششیں کیں، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین اجر آپ کو عطا فرمائے' آمین۔

مورخہ ۱۶/ جولائی کو" انتہا پسند کون" کے عنوان سے آپ کا جو کالم جنگ میں شائع ہوا ہے اس میں بھی آپ نے بڑی دردمندی سے صورت حال کے اصل اسباب کی نشان دہی کی ہے' لیکن مذاکرات کی آخری رات کے بارے میں آپ نے چند باتیں ایسی لکھی ہیں جن کے بارے میں آپ کو کسی نے غلط معلومات فراہم کی ہیں' کیونکہ آپ بذاتِ خود وہاں موجود نہیں تھے' چونکہ ان باتوں سے سنگین غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں اس لئے صحیح صورت حال آپ کے سامنے لانا ضروری ہے۔

آپ نے اس رات کے واقعات جس طرح بیان فرمائے ہیں ان سے تأثر یہ ملتا ہے کہ مذاکرات ٹوٹنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ علماء کو جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ وفاق المدارس کی تحویل میں دینے پر اصرار تھا' اور جب حکومت اس پر راضی نہیں ہوئی تو علماء ناراض ہوکر اور مذاکرات کو ادھورا چھوڑ کر چلے آئے، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہم لوگوں سے عبدالرشید غازی صاحب مرحوم نے جن نکات پر رضامندی کا اظہار کیا تھا' ان میں سب سے پہلا نکتہ یہ تھا:

۱:- انہیں گرفتار یا نظر بند نہ کیا جائے گا' بلکہ ان کو اہل وعیال اور ذاتی سامان کے ساتھ ان کے اپنے گاؤں کے گھر بحفاظت پہنچا دیا جائے گا' پھر وہ وہیں قیام کریں گے۔

۲:- دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ اپنے تمام ساتھیوں اور طلبہ وطالبات کے ساتھ باہر آئیں گے اور طالبات کو علماء اور وزراء کی موجودہ مشترکہ کمیٹی اپنی نگرانی میں محفوظ مقام پر پہنچا کر ان کے سرپرستوں کے حوالے کرے گی اور طلبہ میں سے جن پر جامعہ حفصہ کے نزاع سے پہلے کے مقدمات نہیں ہیں ان کو رہا کر دیا جائے۔

۳:- تیسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو وفاق المدارس کی تحویل میں اور لال مسجد کو محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے کر جائیں گے۔ ان کی یہی باتیں وزیراعظم کے ساتھ میٹنگ میں طے ہوگئیں' جس میں

چودھری شجاعت حسین صاحب اور کئی وفاقی وزراء بھی شریک تھے اور وفاق المدارس کا مصالحتی وفد بھی۔

پھر شام کو وفاق المدارس کے علماء کرام، وفاقی وزراء اور چودھری شجاعت حسین صاحب نے لال مسجد کے پاس ایک جگہ بیٹھ کر انہی نکات پر مشتمل متفقہ تحریر اس طرح تیار کرلی تھی کہ اس کے کسی حصے پر اختلاف نہیں تھا، لیکن چودھری صاحب اور وزراء اس تحریر پر دستخط کرنے کے بجائے اس تحریر کی منظوری لینے کے لئے ایوانِ صدر چلے گئے اور جب یہ حضرات ایوانِ صدر سے واپس آئے تو ایک دوسری تحریر لے کر آئے جس میں یہ تینوں نکات بدل دئے گئے تھے، اس نئی تحریر میں پہلا نکتہ اس طرح لکھا گیا تھا کہ: عبد الرشید غازی صاحب کو ''گھر'' میں (نہ کہ ان کے گھر میں) رکھا جائے گا اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

ایک نکتہ یہ تھا کہ باہر آنے والے تمام لوگوں پر قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔ اور ایک نکتہ یہ تھا کہ جامعہ حفصہ، جامعہ فریدیہ اور لال مسجد کا مستقبل محکمۂ اوقاف اور وفاق المدارس اور دیگر حکومتی اداروں کے مشورے سے طے کیا جائے گا۔ اس پر ہم نے وزراء سے کہا کہ جن باتوں پر عبد الرشید غازی بمشکل راضی ہوئے تھے، اس تحریر میں وہ باتیں موجود نہیں ہیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کو بحفاظت ان کے گاؤں کے گھر پہنچانے کی جو بات طے ہوئی تھی، اس نئی تحریر میں اس کو بھی ختم کردیا گیا ہے۔ نیز عبد الرشید غازی صاحب جامعہ حفصہ چھوڑنے پر اس شرط سے راضی ہوئے تھے کہ انہیں وفاق المدارس کے حوالے کردیا جائے گا۔

ہم نے وزراء سے کہا کہ عبد الرشید غازی کو بار بار فون کرکے ہم نے بمشکل پہلی تحریر پر راضی کیا ہے، اب انہیں اس سے بالکل مختلف نئی تحریر پر راضی کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ لہذا اس تحریر کو پہلی تحریر کے مطابق بنانا ضروری ہے، اس پر حکومت کے نمائندوں نے ہم سے کہا کہ اس نئی تحریر میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کرنے کا ہمیں اختیار نہیں ہے، اور ہمیں صرف آدھا گھنٹہ دیا گیا ہے، جس میں سے پندرہ منٹ گذر چکے ہیں، اور صرف پندرہ منٹ باقی ہیں، ان پندرہ منٹ میں آپ ہاں یا نہیں کا فیصلہ کرالیں۔

ہم نے کہا کہ اب ہم عبد الرشید غازی صاحب کو اس نئی تحریر پر راضی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، لیکن ان کے نمائندے مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب موجود ہیں، آپ ان سے بات کرلیں، وہ ان کو راضی کرلیں تو بہت اچھی بات ہے۔ چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب نے عبد الرشید غازی صاحب مرحوم سے رابطہ کیا تو جیسا کہ خطرہ تھا انہوں نے اس تحریر کا پہلا نکتہ سنتے ہی اس نئی تحریر کو ماننے سے صاف انکار کردیا، اسی دوران فوج کے ایک افسر نے ہمارے ساتھیوں سے کہا کہ اب آپ حضرات یہاں سے چلے جائیں، چنانچہ اس کے بعد ہم انتہائی صدمے کی حالت میں ڈھائی بجے رات کو واپس آئے۔

اوپر کی تفصیل سے واضح ہے کہ مذاکرات کی ناکامی کا اصل سبب وفاق المدارس کی تحویل میں دینے کا مسئلہ ہرگز نہیں تھا، بلکہ اصل سبب یہ تھا کہ نئی تحریر میں انہیں بحفاظت گھر پہنچانے کے بجائے قانونی کارروائی کرنے کا ذکر تھا، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ انہیں گرفتار کیا جائے گا اور یہ وہ بات تھی جس پر غازی صاحب مرحوم ہم سے

بار بار کئی دن سے کہہ رہے تھے کہ میں گرفتاری نہیں دوں گا' اگرچہ شہید کردیا جاؤں۔

وفاق المدارس کی تحویل میں دینے کی بات بھی غازی صاحب مرحوم کی شرائط میں داخل تھی' اور ہم نے اس کا ذکر اسی حیثیت میں کیا تھا' چنانچہ ساتھ ہی یہ واضح کردیا تھا کہ ہمیں اپنی طرف سے اس پر کوئی اصرار نہیں ہے' ان کو دینی مدرسہ کی حیثیت میں باقی رکھتے ہوئے آپ اگر چاہیں تو اسلام آباد وراولپنڈی کے علماء کے سپرد کردیں یا چودھری شجاعت حسین صاحب کے سپرد کردیں۔ ہماری تو شب وروز کی انتھک کوشش اسی لئے تھی کہ کسی طرح لال مسجد کے طلباء وطالبات کی زندگیاں خطرے سے نکلیں' ہم ان دو مدرسوں کو وفاق المدارس کی تحویل میں دینے یا نہ دینے کی بحث میں الجھ کر اس عظیم مقصد کو کیسے خطرے میں ڈال سکتے تھے؟

کھانا منگوانے کی بات بھی آپ کے کالم میں سیاق وسباق سے کٹ کر آئی ہے' یہ کھانا بازار سے چودھری شجاعت حسین صاحب نے از خود منگوایا تھا اور اس وقت منگوایا تھا جب حکومتی مذاکراتی ٹیم اور وفاق المدارس کے نمائندوں کے درمیان مصالحتی فارمولے پر اتفاق ہوگیا تھا' اور مولانا عبدالرشید غازی مرحوم نے بھی اس سے اتفاق کرلیا تھا' اور تمام شرکاء پرامید اور قدرے مطمئن تھے' جب چودھری صاحب نے اپنے رفقاء اور ہم سمیت کمرے میں موجود لوگوں کے لئے کھانا منگوایا تو اس وقت علماء نے چودھری صاحب سے کہا کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں موجود افراد کئی دن سے کچھ نہیں کھا رہے' ہمیں ان کے لئے بھی کھانے کا ابھی سے انتظام کرنا چاہئے اور جب مصالحتی قرار داد پر دستخط ہوجائیں تو ہم خود اپنے ساتھ ان کے لئے کھانا لے کر جائیں گے' چنانچہ چودھری شجاعت حسین صاحب نے اس سے اتفاق کیا۔

اسی طرح دورانِ گفتگو قہقہے لگانے کی بات بھی درست نہیں ہے' اتنی طویل سنجیدہ اور نازک گفتگو کے دوران اگر کسی نے کوئی ہنسی کی بات بھی کہہ دی ہو اور اس پر کچھ لوگ ہنس پڑے ہوں تو اسے اصل معاملے سے بے تعلق ہوکر قہقہے لگانے سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے، جن لوگوں نے کئی دن سے ملک کو خون ریزی سے بچانے کی کوشش میں اپنی نیندیں حرام کر رکھی تھیں' ان کے بارے میں جن حضرات نے بھی آپ کو یہ غلط معلومات فراہم کی ہیں' انہوں نے بڑی زیادتی کی ہے' اور آپ سے یہ امید تھی کہ اس طرح کی اطلاعات ملنے سے پہلے ان باتوں کی تحقیق فرمالیتے۔

والسلام

محمد رفیع عثمانی (۷/۱۷/۲۰۰۷ء)

من جانب:

۱-محمد رفیع عثمانی صاحب	رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس
۲-مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب	ناظم اعلیٰ وفاق المدارس
۳-مولانا زاہد الراشدی صاحب	رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس
۴-مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب	نمائندہ (صدر وفاق المدارس)

قرآنی علوم کے متعلق علمائے امت کے قابل تحسین کارنامے

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
اردو ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

یتیمة البیان فی شیئ من علوم القرآن

۱- ان مبارک ہستیوں میں سے ایک شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بخاری حنفیؒ ہیں جو **"الزاهد العلاء"** کے لقب سے معروف ہیں اور صاحب ہدایہ کے شیوخ کے طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں، ۵۴۶ھ میں وفات پائی، قرآن کریم کی ایسی تفسیر مرتب فرمائی جو ہزار سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے، شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفیؒ نے **"تاج التراجم"** میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

۲- اور یہ شیخ ابو یوسف عبد السلام بن محمد القزوینیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) جنہوں نے تین سو مجلدات پر مشتمل تفسیر تصنیف فرمائی، جس کا نام **"حدائق ذات بهجة"** رکھا اور صاحب **"کشف الظنون"** کے ایک قول کے مطابق یہ تفسیر پانچ سو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳- علامہ تاج الدین سبکیؒ کی طبقات کبریٰ سے صاحب کشف نے نقل کیا ہے کہ امام محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ نے اولاً تیس ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر تصنیف فرمائی، پھر اس تفسیر کا خلاصہ تین ہزار اوراق میں تحریر کیا، آج یہ ملخص تفسیر تیس جلدوں میں مطبوعہ حالت میں ہمارے سامنے موجود ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اصل تفسیر جس کا اختصار تیس جلدوں میں ہوا، کم از کم تین سو جلدوں پر تو ضرور مشتمل ہوگی۔

۴- امام قاضی ابوبکر بن العربیؒ متوفی ۴۶۸ھ نے اسی ہزار اوراق پر محیط تفسیر لکھی جس کا انہوں نے اپنی کتاب "القبس" میں تذکرہ فرمایا ہے، صاحب کتاب **"الدیباج المذهب فی معرفة اعیان المذهب"** نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے یہ تفسیر سلطان ابوعنان کی لائبریری میں اسی (۸۰) مجلدات میں دیکھی ہے۔

۵-ادھر اہل مغرب کے سب سے بڑے عالم وعارف صاحب ''الفتوحات المکیة'' صوفیاء کے شیخ اکبرطائی اندلسیؒ متوفی ۶۲۸ھ کو لیجئے جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر میں (۶۰) ساٹھ جلدیں تحریر فرمائیں اور ان میں وہ نصف قرآن یعنی سورہ کہف تک پہنچ سکے۔

۶-صاحب کشف الظنون سے منقول ہے کہ: شیخ جمال الدین ابوعبداللہ حنفی مقدسیؒ (متوفی ۶۹۸ھ) جو''ابن النقیب'' کی کنیت سے مشہور ہیں انہوں نے تقریباً پچاس جلدوں میں تفسیر لکھی جس کا نام ''التحریر والتحبیر لأقوال ائمة التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر'' رکھا، امام کفویؒ فرماتے ہیں کہ: یہ تفسیر اسی (۸۰) مجلدات پر مشتمل تھی اور اتنی مقدار سے آگے نہ بڑھ سکی، جبکہ علامہ عبدالحئی لکھنویؒ ''الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة'' میں نقل کرتے ہیں کہ: مجیرالدین حنبلی نے اپنی کتاب ''تاریخ القدس'' میں لکھا ہے کہ: یہ تفسیر ننانوے جلدوں پر مشتمل تھی جس میں انہوں نے پچاس کے قریب تفاسیر سے استفادہ کر کے مواد جمع فرمایا تھا۔

۷-اسی طرح شیخ ابوالقاسم اصبہانیؒ متوفی ۵۳۵ھ نے تیس (۳۰) جلدوں میں تفسیر تالیف فرمائی۔

۸-امام شمس الدین ابومظفرؒ متوفی ۶۵۴ھ نے بھی تیس جلدوں پر حاوی تفسیر لکھی۔

۹-ابن الندیمؒ کے بیان کے مطابق شیخ مفضل بن سلمہ حنفیؒ جن کا شمار تیسری صدی ہجری کے علماء میں ہوتا ہے، انہوں نے ''ضیاء القلوب فی معانی القرآن'' کے نام سے تقریباً بیس جلدوں میں تفسیر لکھی۔

۱۰-اسی طرح ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ: امام ابوبکر محمد بن الحسن انصاری النقاش کی بھی ایک تفسیر ہے جس کا نام ''التفسیر الکبیر'' ہے اور یہ بارہ ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔

۱۱-صاحب ''ظهر الاسلام'' صفحہ ۲۰۵ پر رقمطراز ہیں کہ: ''ابوبکر ادفوی جو ابوجعفر نحاس کے شاگرد ہیں انہوں نے علوم القرآن کے متعلق ایک کتاب تالیف فرمائی جو ایک سو بیس (۱۲۰) مجلدات پر مشتمل ہے، ان کا انتقال ۳۸۸ھ میں ہوا، اور صفحہ ۲۸۰ پر تحریر کرتے ہیں کہ: (انہی نے) ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی جو سو جلدوں پر مشتمل تھی اور لکھنے والے کی عمر اور اس کے قلم کی سیاہی کو ختم کر دینے والی ہے، ابن سبکتگین نے اس کی تالیف پر علماء کو مقرر فرمایا''۔

علامہ زاہد کوثریؒ جن کا تذکرہ میں نے گذشتہ صفحات میں کیا تھا اپنے مقالات میں تحریر فرماتے ہیں ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

اور میں قاری سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس بات کی اجازت دے گا کہ میں علماء امت اسلامیہ کی تفسیر قرآن کی خدمت کے سلسلے میں چند مؤلفات کا تذکرہ کروں جو تصنیف وتالیف کے میدان میں ان کی انتہائی

محنتوں اور کوششوں کا ایک نمونہ ہے، چنانچہ علامہ مقریزیؒ "خطط" میں ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشقریؒ نے "تفسیر المختزن" ستر جلدوں میں تحریر فرمائی، قاضی عبدالجبار ہمدانیؒ کی تفسیر "المحیط" کے نام سے سو جلدوں پر مشتمل ہے۔

شیخ ابو یوسف عبدالسلام قزوینیؒ کی تفسیر "حدائق ذات بهجة" جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کم از کم تین سو جلدوں میں ہے، کہتے ہیں کہ مصنفؒ نے اپنی اس تفسیر کو بغداد میں واقع امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مسجد کے لیے وقف کر دیا تھا، بعد ازاں دارالخلافہ بغداد میں مغلوں کی شورش کے دوران اس کتاب کی کچھ جلدیں ضائع ہوگئیں، لیکن میں نے ہندوستان کے ایک نامور ادیب [ماہر لغت علامہ عبدالعزیز میمنیؒ] سے سنا ہے کہ انہوں نے اسی تفسیر کا کچھ حصہ کسی کتب خانے کی فہرست میں دیکھا تھا، اسی طرح حافظ ابن شاہینؒ کی تفسیر بھی ہے جو آج کل کی ہزار جلدیں بنتی ہیں، اسی طرح قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کی تفسیر "انوار الفجر" جو اسی (۸۰) ہزار اوراق پر مشتمل ہے، مشہور ہے کہ یہ ہمارے ملک میں پائی جاتی ہے، لیکن راقم بہت بحث وتفتیش کے بعد بھی اس کتاب کے ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہوسکا، ابن نقیب مقدسیؒ جو ابوحیانؒ کے مشائخ میں سے ہیں، ان کی بھی سو (۱۰۰) جلدوں پر مشتمل ایک تفسیر ہے جن میں سے بعض جلدیں استنبول کے کتب خانے میں موجود ہیں، اور میری معلومات کے مطابق ان تفاسیر کی کچھ کچھ جلدیں مختلف کتب خانوں سے مل سکتی ہیں۔

رہی بات آج کل کی ضخیم اور مکمل تفسیر کی تو میرے علم میں ایسی تفسیر "فتح المنان" ہے جو "التفسیر العلائی" کے نام سے بھی مشہور ہے اور علامہ قطب الدین شیرازیؒ کی طرف منسوب ہے، یہ تفسیر چالیس جلدوں میں ہے اور اس کی پہلی جلد "دار الكتب المصرية" میں موجود ہے جس سے ان کے تفسیری اسلوب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، استنبول کے کتب خانہ محمد اسعد اور کتب خانہ علی پاشا (حکیم اوغلی) میں اس کی مختلف جلدیں موجود ہیں، جن سے اس تفسیر کا ایک مکمل نسخہ دستیاب ہوسکتا ہے، اسی طرح "المنهل الصافي" میں لکھا ہے کہ علامہ محمد زاہر بخاریؒ کی بھی تحریر کردہ ایک تفسیر ہے جو سو جلدوں پر مشتمل ہے، ان مذکورہ تفاسیر کے علاوہ بھی علماء امت کی ان کے اپنے اپنے منہج واسلوب کے مطابق تفاسیر ہیں جن کا شمار ناممکن ہے۔

بڑی تفسیروں کے متعلق جو میری محدود وناقص معلومات تھی وہ سپرد قلم کردی، رہی بات ان تفاسیر کی جو دس جلد یا اس سے کم وبیش پر مشتمل ہیں تو ایسی تفاسیر بے شمار ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں، متقدمین ومتاخرین علمائے امت کی قرآن کریم کے اسرار ومعارف کے بیان کرنے میں یہ وہ سخت جدوجہد ہے جو انہوں نے کی اور ہر ایک برتن سے وہ کچھ نکلا جو اس میں تھا، ہر مفسر نے اسی نقطۂ نظر سے قرآن کریم میں غور وخوض کیا جس فن سے وہ دلی شغف اور قلبی محبت رکھتا تھا، چنانچہ ایک محدث کا طریقۂ کار روایات اور ان کے طرق کے متعلق بحث رہی جیسے کہ

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں کیا اور علامہ سیوطیؒ نے ''الدر المنثور'' میں، اسی طرح دیگر کئی محدثین نے یہی اسلوب اختیار کیا۔ فقیہ نے مسائل کے استنباط و استخراج کی طرف توجہ کی جیسے کہ امام قرطبیؒ وغیرہ۔ نحوی حضرات قرآن کریم کے اعراب، الفاظ قرآنی کی ترکیب اور اسلوب قرآن کی نظم کے سمندر میں غوطہ زن ہوا جیسے کہ ابی حیان نے اپنی تفسیر ''بحر'' اور ''نہر'' میں کیا۔ علم بلاغت سے شغف رکھنے والے مفسر نے قرآن کریم کے اطناب و ایجاز میں پوشیدہ اعجاز کو ظاہر کرنے میں اپنا شوق دکھایا، اور قرآن کریم کے مطالع و مقاطع اور اس کے عجائب و غرائب میں موجود حسن کی وضاحت کی جیسا کہ علامہ زمخشریؒ نے اپنی کتاب ''کشاف'' اور ابو سعود نے ''ارشـــــاد'' میں یہ طریقہ کار اپنایا۔ متکلم مفسر نے علم کلام کو اپنی جولا نگاہ جانا جیسے کہ امام رازیؒ کا اپنی تفسیر ''مفاتیح'' میں یہی منہج رہا، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں دیگر کئی مختلف مسائل کے تحت بے شمار قیمتی جواہرات ہیں، اسی طرح ایک منطقی مفسر کے مدنظر قیاس کی ترتیب اور رسوم وحدود کے متعلق بحث و تفتیش رہی جیسے ابن سینا نے سورہ اخلاص کی تفسیر میں یہ اسلوب اپنایا۔ جدید فلسفی کے مطمح نظر کائنات میں پھیلی اللہ کی نشانیاں، عنصری عجائب اور طبعی غرائب کا بیان رہا، جیسا کہ شیخ جوہری طنطاویؒ نے اپنی تفسیر کو فلکی، عنصری اور طبعی عجائبات سے اتنا بھر دیا ہے کہ بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا قرآن اسی لیے نازل ہوا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ہر ایک نے اپنا تھیلا اور برتن خالی کیا اور اپنی ترکش میں بھری معلومات کو بیان کردیا، اور یہ معاملہ خدائے پاک کے تقدیری فیصلے کے مطابق ہے، تاکہ سب پر واضح ہوجائے کہ اس کلام الٰہی کے عجائب و غرائب کبھی ختم نہ ہوں گے اور جو خبر، صادق، امین، پیغمبر محمد مصطفی ﷺ نے دی ہے وہ اسی طرح سب پر عیاں ہوجائے جیسا کہ سورج آسمان کے درمیان۔ اوپر جو تفسیر کے مناہج ذکر ہوئے ان میں سے بعض بعض سے اہم ہیں اور امید یہی ہے کہ بڑی تفاسیر جن کا تذکرہ ہوا، وہ تمام اہم معلومات وفوائد کی جامع ہوں اور ان مفسرین کی بصیرت و بصارت کی جس قدر رسائی ہوگی ان تمام خصوصیات و امتیازات کی یہ بڑی تفاسیر ضرور حامل ہوں گی، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ بغداد کے مفتی سید محقق حنفی آلوسی کا ان کی تفسیر ''روح المعانی'' کی وجہ سے علماء کی گردنوں پر بڑا احسان ہے، اس لیے کہ یہ تفسیر اہل علم کے ہاتھوں میں موجود تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ جامع ہے، ان کی یہ تفسیر روایت و درایت، فقہ و حدیث، فصاحت و بلاغت، ترکیب و لغت اور کلام و تصوف غرض تمام علوم کو شامل ہونے کے اعتبار سے ایک گرانقدر تفسیر ہے، جس میں الفاظ کی ترتیب اور معانی کا نظم و نسق بھی معیاری ہے، گویا یہ پوری تفسیر قیمتی لعل و جواہرات سے مرصع و مزین ہے، اللہ رب العزت اس تفسیر کو مؤلف کے لیے بروز قیامت اچھا ذخیرہ فرمائے، آمین۔

(جاری ہے)

شب برأت اور اس کے تقاضے

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اس شب برأت کے بارے میں جو کرنے کے کام ہیں اور جو نہ کرنے کے کام ہیں، ان کے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ ہمارے قلوب میں صحیح استعداد پیدا فرمائے، اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر ان کو قبول بھی فرمائے۔

عنایت الٰہی

یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت ہے کہ بعض مبارک اوقات کی محبت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں ہر وقت انسان کے شامل حال رہتی ہیں، لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ جمعہ کا اجتماع، عام نمازوں سے زیادہ ہوتا ہے، رمضان مبارک میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ ہوتی ہے، بہ نسبت اور مہینوں کے، اور اسی طرح جو خاص اہمیت کی راتیں ہیں، ان میں بھی ہماری رغبت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت عام راتوں کے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندوں پر خاص عنایت ہے کہ اس کی خصوصی عنایت اور مغفرت کے جو مواقع ہیں، یا عنایت اور مغفرت کے جو اسباب ہیں ان کی محبت زیادہ ڈال دی جاتی ہے، اور یہ عنایت یوں ہے کہ شاید اسی راستے سے کسی کا کچھ کام بن جائے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں اس موقع پر جمع ہونے کی توفیق عطا فرمادی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی توقع رکھنی چاہئے۔

نیکی زیادہ تو گناہ بھی!

لیکن اسی کے ساتھ دوسری بات بھی ذہن میں رکھو، تصویر کے دونوں پہلو سامنے رکھنے چاہئیں جس طرح خاص مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوگا، اسی طرح ان مواقع پر گناہ کا وبال بھی دوسرے اوقات کی

نسبت زیادہ ہوگا، چنانچہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر کوئی شخص کنویں میں پیشاب کرے تو بہت بری بات ہے، لیکن اگر کوئی شخص چاہ زمزم میں پیشاب کرے تو اس سے بدتر بات ہوگی، بلکہ نعوذ باللہ! کفر کے درجے تک پہنچنے والی بات ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص عام مسجدوں کی بے حرمتی کرے تو بہت ہی بری بات ہوگی، لیکن خدانخواستہ اور نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر حرم شریف میں کوئی گستاخی اور بے ادبی کرے تو یہ اور زیادہ بدترین بات ہے، ایسے ہی آخر شب کا وقت، جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وقت ہے اس وقت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو بہت بڑا درجہ ہے، اور اگر کوئی نعوذ باللہ! اس وقت بدکاری کرے، یا چوری کرے تو اس کا بدترین ہونا ظاہر ہے، یہ ساری باتیں میں نے سمجھانے کے لئے عرض کی ہیں کہ جن اوقات یا مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، ان مقامات میں یا اوقات میں گناہ کا درجہ بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور ان اوقات میں گناہ کرنا زیادہ سنگین ہوتا ہے۔

ایک کی لاکھ مرغیاں

اس پر ہمارے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا لطیفہ یاد آیا کہ جب پہلے حج پر گئے تھے تو شاہ عبدالقادر قدس سرہ بھی ساتھ تھے اور مدینہ طیبہ جاتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو (یہ اس وقت نوجوان اور پورے قافلے میں سب سے زیادہ کم عمر تھے) "اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ" (کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے) کہہ کر امیر قافلہ بنا دیا تھا، تو ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ہاں مرغی پکائی گئی تھی، اور شیخ رحمہ اللہ اس وقت اتفاق سے موجود نہ تھے، ان کی شرکت نہ ہوسکی، حضرت رائے پوری نے معذرت کی کہ آپ اس کھانے میں تشریف فرما نہیں تھے، تو بے تکلفی سے شیخ نے فرمایا کہ حضرت! آپ کو اس کا معاوضہ ادا کرنا پڑے گا، شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ حضرت ضرور معاوضہ ادا کریں گے، شیخ نے کہا کہ حضرت! یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کی ایک نیکی لاکھ نیکی کے برابر ہے، تو ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، چنانچہ حضرت رائے پوریؒ نے ساری عمر حضرت شیخ کا یہی قرض چکایا، وہیں سے خط لکھنے شروع کردیئے کہ شیخ کی ایک لاکھ مرغی ہمارے ذمے واجب ہے، اس کا انتظام کر رکھو۔ یہ تو میں نے لطیفہ عرض کردیا کہ ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کروگے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک لاکھ روپیہ پاؤگے، وہاں ایک دوگانہ ادا کروگے تو ایک لاکھ دوگانہ کا ثواب ملے گا، اسی طرح عرض کر رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ کوئی الٹا چلے تو پھر بہت بری بات ہے، اس کا گناہ بھی اتنا ہی سنگین ہوگا۔

گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے

اسی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ آدمی نیکی چاہے تھوڑی کرے، لیکن برائی سے بچنے کی بھرپور کوشش

کرے، کیونکہ نیکی منافع کی چیز ہے، جتنا کمالو گے اتنا تمہارا زرمبادلہ بن جائے گا، لوگ دبئی، سعودی عرب جا کر کماتے ہیں اور گھر والوں کو خرچ بھیجتے ہیں یا پیسے جمع کرکے لاتے ہیں، یہ ہماری نیکیاں ہمارا زرمبادلہ ہیں، یہ وہاں آخرت میں ملے گا، کسی نے زیادہ کمالیا، زیادہ ملے گا، کم کمایا تو کم ملے گا، لیکن اگر برائیاں کروگے تو یہ بہت سنگین بات ہے، نیکی تو چاہے تھوڑی کرو لیکن برائی سے بچنے کی زیادہ کوشش کرو، یہ دو باتیں ہوگئیں۔

میں ایک غلطی پر تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں باتوں کی لوگ رعایت نہیں رکھتے، ایک تو یہ کہ نیکی کی رغبت ہوتی ہے اور ہونی چاہئے، عرض کر رہا ہوں کہ نیکی زرمبادلہ ہے، جتنی زیادہ آدمی نیکی کرے اتنی کم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک موقع پر فرما رہے تھے، حضرت ابوذرؓ بڑے زاہد صحابی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے مطلب اور ذوق کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا:

"یَا اَبَاذَرٍّ! خَفِّفِ الْحَمْلَ فَاِنَّ الْعَقَبَةَ کَئُوْدٌ، وَخُذِ الزَّادَ فَاِنَّ السَّفَرَ طَوِیْلٌ، وَاَخْلِصِ الْعَمَلَ فَاِنَّ النَّاقِدَ بَصِیْرٌ."

ترجمہ: "اے ابوذر! بوجھ ذرا تھوڑا اٹھانا اس لئے کہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے (جس گھاٹی پر تمہیں چڑھنا ہے وہ بڑی دشوار گزار ہے، ذرا بوجھ کم اور ہلکا رکھنا)، اور ذرا توشہ لے کر چلنا اس لئے کہ سفر بڑا لمبا ہے، اور عمل ذرا کھرا لے کر چلنا اس لئے کہ پرکھنے والا بہت سمجھ رکھنے والا ہے، اس کی نظر بڑی باریک ہے۔"

اگر کھوٹ ملا ہوا ہوگا تو نکال دیا جائے گا، وہاں کھوٹ نہیں چلتا ہمیں تو ہر چیز میں ملاوٹ کی عادت ہے، اور اخلاص کے معنی ہیں ملاوٹ نہ کرنا، یعنی اپنے عمل میں ملاوٹ مت کرو، خالص اللہ کی ذات کے لئے کرو، عمل بھی خالص ہو اور خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہو، لوگوں کو دکھانے یا ریا کے لئے، یا مخلوق کی خاطر نہ ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "توشہ لے کر چلو اس لئے کہ سفر بہت لمبا ہے۔"

نیکی کرنا آسان ہے

لیکن ہم لوگوں کو نیکی کرنے کی طرف جتنی رغبت ہے، اتنا برائی سے بچنے کا اہتمام نہیں، یہ ایک عجیب بات ہے، میں تو اپنی بات کر رہا ہوں، آپ کی بات نہیں کر رہا، آپ اپنے طور پر اپنی حالت پر غور کر لیجئے، عام ذوق یہ ہے کہ نیکی کی طرف رغبت تو بہت ہوتی ہے، لیکن برائی سے بچنے کا اہتمام کم ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کی عجیب حکمت بیان فرمائی، فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی

میں نفس اپنا کچھ حصہ لگالیتا ہے، کم از کم لذت ہی سہی، یا یوں خیال کرلیا جاتا ہے کہ تم اب اچھے آدمی بن گئے ہو کہ نیکی کا کام کرتے ہو، چنانچہ وہ اپنا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لگالیتا ہے، اس لئے نیکی پر لگنا تو اس کے لئے آسان ہے۔

گناہ کو چھوڑنا مشکل ہے:

لیکن برائی چھوڑنے میں چونکہ کوئی لذت نہیں، نہ ہی کسی کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے برائی چھوڑی، نہ اس میں ریاکاری چل سکتی ہے اور نہ کچھ نفس کو لذت آسکتی ہے، نیکی ایک وجودی یعنی کرنے کا کام ہے، کوئی بھی کرے گا تو دوسرا اسے دیکھے گا، ریاکاری کا بھی اس میں احتمال، خود اپنے نفس کو بھی لذت، اس لئے نیکی کرنے کی طرف تو نفس کو رغبت ہوتی ہے، مگر برائی اور بدی چھوڑنے کی طرف رغبت نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس میں لذت نہیں ہوتی، تو میں نے کہا:

ایک یہ کہ نیکی کا اہتمام چاہے تھوڑا کرو، لیکن بدی سے بچنے کا اہتمام زیادہ کرو۔

دوسری بات یہ کہ خصوصیت کے ساتھ مقدس مقامات میں، مقدس اوقات میں بدی کے کرنے سے زیادہ سے زیادہ ڈرو، چنانچہ جمعہ کے دن اور عصر کے بعد کا وقت بھی بہت زیادہ مبارک وقت ہوتا ہے، اس وقت میں بدی کا ارتکاب بہت بری بات ہے، رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی مبارک مہینہ ہے، بہت ہی مبارک وقت ہے۔

میرے پاس آج اکثر خطوط رمضان المبارک کے مسائل سے متعلق آرہے ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ روزہ رکھ کر اگر فلمی گانا سن لیا جائے تو اس سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا؟ رمضان المبارک کی تقریریں تو رمضان المبارک میں ہوں گی، یہ درمیان میں ایک مثال کے طور پر بات آگئی، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا ہوگا:

''مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۷۶)

ترجمہ:...''جو شخص روزہ رکھنے کے باوجود غلط کاری اور غلط بات کو نہیں چھوڑتا، تو اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں اور کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

پٹاخے اور آتش بازی سنگین جرم ہے:

اسی طرح یہ شب برأت کی ساعت اور اوقات ہیں ان میں بھی گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، مجھے ان پٹاخوں سے شدید تکلیف ہو رہی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کار ثواب ہے، یا یوں سمجھتے ہوں گے کہ نہ ثواب ہے نہ گناہ ہے، لیکن میں عرض کردینا چاہتا ہوں کہ آئندہ کے لئے کم از کم یہ معلوم کرلیجئے کہ یہ گناہ ہے،

اگر یہ رات مبارک ہے تو جس طرح اس رات میں نیکی کرنے کا درجہ زیادہ ہے، اسی طرح برائی کرنے کا جرم بھی زیادہ ہے، اس لئے اس رات میں پٹاخے بجانا، آتش بازی کرنا یہ بہت ہی زیادہ سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل عطا فرمائے۔

تو یہ ایک بات میں نے عرض کی، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ مبارک اوقات کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کا ہمیں شکر کرنا چاہئے اور ساتھ کے ساتھ توقع اور امید بھی رکھنی چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ عنایت اور توفیق ہم پر فرمائی ہے، تو انشاءاللہ اس کو قبول بھی فرمائیں گے، اور ہمیں اپنی رحمت کا مورد بھی بنائیں گے۔ انشاءاللہ!

شب برأت مانگنے کی رات ہے:

دوسری بات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ: اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُ لَہٗ، اَلا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُہٗ، اَلا مِنْ مُّبْتَلٰی فَاُعَافِیْہِ، اَلَا کَذَا اَلَا کَذَا۔“

(مشکوٰۃ ص:۱۱۵)

ترجمہ:...”شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں، اور یوں پکارتے ہیں: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کردوں، کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کیا کوئی مبتلائے مصیبت ہے جو اس مصیبت سے بچنے کی درخواست کرے، میں اس کو عافیت عطا کردوں، کیا کوئی فلاں قسم کا آدمی ہے، فلاں قسم کا آدمی ہے، ایک ایک ضرورت کا نام لے کر اللہ میاں پکارتے ہیں۔

تو اس رات میں کرنے کے دو کام ہیں، ایک تو جہاں تک ممکن ہو سکے عبادت کرو اور قرآن کریم کی تلاوت کرو، نماز پڑھنا سب سے افضل ہے، لیکن اگر بیٹھ کر تسبیحات پڑھنا چاہو تو یہ بھی جائز ہے، غرضیکہ اللہ کی یاد میں جتنا وقت بھی گزار سکتے ہو، گزارو، باقی سونے کا تقاضا ہو تو سو جاؤ، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ضرور پڑھ لو، تو ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے عبادت میں وقت گزارا جائے، اور دوسرے یہ کہ رات مانگنے کی ہے، کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے، مانگا کیا جائے؟ اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے، مختصراً اس کی تشریح کردیتا ہوں۔

مانگنے کی تین چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں، ایک تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو، اور تیسرے اللہ سے عافیت مانگو، لیجئے خدا تعالیٰ نے کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دے دی ہیں، جتنا چاہے کھولو اور لو، فرمایا ایک اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔

مغفرت مانگیئے:

بھائی! مغفرت کے معنی ڈھانکنے کے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اندر جو کچھ ہے وہ ناپاکی اور گندگی کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ ابھی چھیل دو تو خون نکلنے لگے گا، اور اگر خدانخواستہ پیٹ میں سوراخ ہو جائے تو پھر جو کچھ ہوگا وہ ظاہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس حسین وجمیل چمڑے کا پردہ ڈال دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ پاک سے پاک مجلسوں میں اور معزز مجلسوں میں ہم بیٹھتے ہیں، لیکن جو گندگیاں ہمارے اندر چھپی ہوئی ہیں، وہ اس پردے کی وجہ سے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں، خدانخواستہ ہماری گندگیاں ظاہر ہونے لگیں تو ہم کسی شریفانہ محفل میں بیٹھنے کے لائق نہ ہوتے، یہ تو ظاہری چمڑے کی بات کر رہا ہوں، اور بالکل اسی طرح معنوی طور پر ہمارے اندر جو قصور، لغزشیں، خطائیں ہیں، جو جرائم اور گناہ ہم نے کئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فاش نہیں فرماتے، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ستاری فرما رکھی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، حکم فرمایا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو کہ شریعت کا حکم ہے، چور ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا کہ امیر المؤمنین میں نے پہلی دفعہ چوری کی ہے، آپ اس دفعہ تو مجھے معاف کر دیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کریم ہے کہ پہلی بار آدمی کو پکڑوا دیں، یہ اس کے کرم سے بعید ہے۔ جن لوگوں کے پردے فاش ہو جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے سامنے جری بن جاتے ہیں:

ہم مشو مغرور از حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہاں اللہ کے حلم اور اس کی ستاری سے مغرور نہ ہو جاؤ، دھوکہ نہ کھا جاؤ، اس لئے کہ دیر سے پکڑیں گے لیکن جب پکڑیں گے تو سخت پکڑیں گے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مطالعہ کر کے اپنا ایکسرے کرنا چاہئے، اپنے چمڑے کے نیچے کرید کر دیکھو تو نجاست ہی نجاست بھری ہوئی نظر آئے گی، یہ اوپر سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ پڑا ہوا ہے، وگرنہ کوئی کرید کر دیکھے تو ہمارے گناہ، وساوس، خیالات، اور اندرونی جذبات وغیرہ تو اندر نجاست ہی نجاست ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ ہم پر پردہ ڈال دیا ہے، اگر کوئی جری ہو جاتا ہے تو تھوڑا سا پردہ

اٹھا دیتے ہیں، اس کو اپنی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ تو ایسا ہے، اللہ تعالیٰ تو بہت ہی پردہ پوش اور ستار ہے، بقول شیخ سعدیؒ کے کہ: ''گناہ بیند و پردہ پوشد بحلم'' گناہوں کو دیکھتا ہے، اور اپنے حلم کے ساتھ پردہ ڈالتا ہے۔

خدا کے سوا تم نے کوئی ایسا دیکھا کہ اس کے سامنے تم اس کا قصور کرو، اور وہ تمہیں رسوا کرنے پر بھی قادر ہو اور رسوا نہ کرے؟ تم سے انتقام لینے پر قادر ہو اور انتقام نہ لے؟ اللہ کی شان رحیمی و کریمی، ستاری و غفاری ہے کہ ہم سراپا قصور و عیب ہیں، گناہ کرتے ہیں، مسلسل کرتے ہیں، اور بے دھڑک، بغیر جھجک اور بغیر وقفے کے کرتے ہیں، لیکن اللہ میاں پردے ڈالتے چلے جاتے ہیں، تم نادان ہو لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے سامنے رسوا نہیں کرتا، یہ ہے اللہ کا پردہ ڈالنا، اس پردہ ڈالنے کو مغفرت اور بخشش کہتے ہیں، اگر یہ پردہ دنیا میں ہی رہا، اور آخرت میں یہ پردہ اٹھالیا گیا تو سمجھو کہ پکڑ ہوگئی لیکن اگر اللہ رب العزت نے دنیا میں پردہ ڈالے رکھا، اور اسی طرح آخرت میں بھی پردہ ڈال دیا اور ہمارے عیوب کو مخلوق کے سامنے ظاہر نہ فرمایا تو اس کو بخشش اور مغفرت کہتے ہیں، عیوب تو ہمارے ذاتی نقائص ہیں، وہ تو ہم سے جدا نہیں ہو سکتے، جیسے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے بدن کو چھیلو اور اندر سے خون وغیرہ نہ نکلے، اسی طرح ہماری عبدیت اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سے لغزشیں، خطائیں، کوتاہیاں ہوتی ہیں، یہ ہمارا لازمۂ ذات ہے، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے جیسے ان تمام چیزوں پر دنیا میں پردہ ڈال رہے ہیں، آخرت میں بھی ڈال دیں تو اس کو مغفرت کہتے ہیں، اب ایک تو اس رات میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگو۔

ایک بات یاد آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

''اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَّلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ.'' (کنز العمال ج:۲ حدیث:۵۱۲۳)

ترجمہ:...... ''اے اللہ مجھے رسوا نہ کیجئے، کیونکہ آپ مجھے جانتے ہی ہیں، اور مجھے عذاب اور سزا نہ دیجئے اس لئے کہ آپ مجھ پر قادر ہیں (جب چاہیں عذاب دے سکتے ہیں، آپ کی قدرت ہے)۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے درخواست فرماتے ہیں:

''یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ، هَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ وَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ.'' (اتحاف ج:۵ ص:۸۱)

ترجمہ:...... ''اے وہ ذات جس کو بندوں کے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، اور جس کے خزانے میں، مغفرت کوئی نقص اور کمی پیدا نہیں کرتی (اگر اللہ تعالیٰ سب

مجرموں کو یک قلم بخش دیں تو کچھ نقصان بھی نہیں ہوا) مجھ کو وہ چیز عطا فرمادے جو آپ کے خزانوں میں کمی نہیں کرتی اور مجھ کو وہ چیز معاف فرمادے جو آپ کو نقصان نہیں پہنچاتی (یعنی میرے گناہوں کو معاف فرمادے)۔“

تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو جیسے بھی مانگ سکتے ہو، اور یوں سمجھ کر مانگو کہ وہ ہمارا خدا ہے، ہم اس کے بندے ہیں، کسی اجنبی سے معاملہ نہیں ہورہا، اپنے خدا سے ہورہا ہے، اپنے رب سے مانگ رہے ہیں، ہمارا کام ہی مانگنا ہے، اور اس کا کام عطا کرنا ہے، بلبلا کر مانگو، گڑگڑا کر مانگو، امید کے ساتھ مانگو، اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے، کوئی بے ادبی کا لفظ نہ ہو، وہ ہمارے مالک اور خدا ہیں، ہمیں اپنے خدا پر ناز ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ایک تو بخشش مانگو اور جس کا خلاصہ میں نے عرض کردیا کہ یا اللہ! دنیا اور آخرت میں ہمارے عیوب اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر فرماکر ہمیں رسوا نہ فرمایئے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

”اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔“ (کنزالعمال ج:۲ حدیث:۳۶۲۴)

ترجمہ:......”اے اللہ! تمام امور میں ہمارا انجام اچھا کر، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

کیونکہ آخرت میں جس کو رسوا کریں گے اس کو عذاب دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، یا اللہ! ہماری خطاؤں سے درگزر فرماکر دنیا کی رسوائی اور آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچالیجئے، نہ دنیا میں ہمارا پردہ لوگوں میں فاش کیجئے اور نہ آخرت میں ہمارا پردہ اپنی مخلوق کے سامنے فاش کیجئے، یا اللہ! ہماری بخشش فرمادیجئے، اور اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے جتنے گناہ ہیں، ان سب کی معافی مانگو، اس طرح مانگو کہ گویا آج تو سارے قرضے بے باق کرکے جانا ہے، آج سارا معاملہ نمٹا کے جانا ہے۔

رزق مانگیئے

دوسرا رزق مانگیں، کیونکہ اعلان ہوتا ہے: ”اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُہٗ۔“ کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ اس کو میں رزق دوں، بھائی ہم تو رزق اسی روٹی پانی کو سمجھتے ہیں، اور اس میں لوگ پریشان بھی بہت ہیں، اپنی اپنی سمجھ اور اپنا اپنا خیال ہے، تاہم جہاں تک تمہارا تصور جاسکتا ہے، وہاں تک رزق کے حدود پھیلے ہوئے ہیں، دنیاوی یا اخروی، جسم یا روح کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سامان پیدا فرمائے ہیں، اور جن پر انسان کی بقا

کا دارومدار ہے وہ ساری کی ساری چیزیں رزق کہلاتی ہیں، روٹی پانی بھی اس میں داخل ہے، یہ جسم کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر رکھی ہیں، یہ بھی اس میں داخل ہیں، اور پھر ارد گرد جو چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، ظاہری چیزیں بھی داخل ہیں، باطنی چیزیں بھی داخل ہیں، رزق کا لفظ ایسا جامع ہے کہ ہماری ضرورت کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے، اور کہا یہ جارہا ہے: "اَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُهٗ." کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، ہماری سمجھ چونکہ بہت ناقص ہے، تو الفاظ بھی ایسے گول مول سے استعمال کر لئے جائیں، جو ہمارے سامنے اہم چیزیں ہوں وہ تو ہم نام لے کر مانگ لیں کہ:

اے اللہ! ہماری فلاں ضرورت ہے، وہ پوری کر دیجئے، لیکن جب ہم ان چیزوں کو مانگ لیں تو اتنا ضرور کہہ دیں کہ یا اللہ! آپ کے رزق کی حدود جہاں تک پھیلی ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری چیزیں مانگتے ہیں، تاکہ کوئی چیز بھی پیچھے نہ رہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات چیت کرنے کے لئے تشریف لائے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ دعا مانگ رہی تھیں، آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بات کرنے کے لئے ایک طرف کر دیا اور بعد میں فرمایا: عائشہ! تم دعا مانگ رہی تھیں، تمہیں اپنی دعا درمیان میں چھوڑ دینی پڑی، تمہیں ایک جامع سی دعا بتا دیں یعنی چھوٹے الفاظ میں بہت بڑی دعا آجائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ضرور بتا دیجئے! فرمایا: جو کچھ مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کرو، اور بعد میں دعا کر لیا کرو:

> "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَکَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ." (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۲)
>
> ترجمہ:..... "یا اللہ! میں آپ سے خیر کی تمام چیزیں مانگتی ہوں جو آپ سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں، اور آپ سے شر کی ان تمام باتوں سے پناہ مانگتی ہوں جس سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔"

لیجئے پیچھے رہ کیا گیا؟ بھائی رزق مانگو اللہ تعالیٰ سے خوب مانگو، جب وہ خود بلوا رہے ہیں کہ آؤ لیجاؤ، تو پھر کیوں نہ مانگیں؟ جو آپ مانگ سکتے ہیں اور جو کچھ آپ کے ذہن میں ہے، مانگ لیں، کوئی ضرورت ہو، کوئی تقاضا ہو، اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ چیز کہاں مل سکتی ہے؟ مشکوٰۃ شریف میں حدیث قدسی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"....... یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا. یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ ذَالِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا ...... الخ." (مشکوٰۃ)

ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ: اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور تمہارے آخر، تمہارے پہلے، تمہارے پچھلے، تمہارے مرد، تمہاری عورتیں، تمہارے چھوٹے، تمہارے بڑے، تمہارے انسان، تمہارے جن، سارے کے سارے مل کر سب سے متقی آدمی کی مثال بن جائیں تو میری خدائی میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر تمہارے پہلے، تمہارے پچھلے، تمہارے مرد، عورت، چھوٹے، بڑے اور انسان وجن سارے مل کر تم میں سب سے جو زیادہ برا آدمی ہے اس جیسے بن جائیں، تو میری خدائی میں مچھر کے پر کے برابر نقصان نہیں ہوگا۔''

بھائی! یہ تمہاری جمہوری گورنمنٹیں تھوڑی ہیں، جو ووٹوں سے بنتی ہوں، وہ تو خدا کی خدائی ہے۔ لہٰذا تمہارے پہلے، پچھلے، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، انسان، جن، سارے کے سارے مل کر جو کچھ کسی کے جی میں آئے وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں اس کو دینے لگوں تو میرے خزانوں میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں ہوگی، یہ خیال مت کرو کہ یہ چیز بہت بڑی ہے، کیا مانگیں گے؟ مادی نعمتیں مانگنی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، معنوی نعمتیں مانگنی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، (لیکن محمود غزنویؒ والی بات کیوں نہ کی جائے) اس سلسلہ میں دو مثالیں عرض کردیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے، اور عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول کرلیا کریں کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں، دوسرے لفظوں میں وہ سارا کچھ سمیٹ کر لے گئے کہ ایک آدھ کیا دعا کروائیں، جب دعا کروانی ہے تو ایسی کروائیں کہ ساری چیزیں آجائیں۔

محمود غزنویؒ سے لوگوں نے ایاز کے بارے میں شکایت کی تھی کہ آپ ان کو بہت مانتے ہیں، آخر کیوں؟ محمود غزنویؒ نے کہا: اچھا! اس کی وجہ بتائے دیتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ اس نے ہیرے، جواہرات بکھیر دیئے اور کہا جو کوئی لوٹنا چاہے، یا لینا چاہے لے لے، جب اذن عام ہوگیا تو سارے اٹھ کر چیزیں لینے لگے، ایاز جہاں کھڑا تھا وہاں کھڑا رہا، محمود غزنویؒ نے اس سے کہا: ایاز! تمہیں بھی اجازت ہے، جو کچھ لینا چاہتے ہو لے لو، انہوں نے بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: میں نے یہ لے لیا ہے، جب آپ نے خود کہا ہے جو چاہو لے لو، میں نے تو بادشاہ ہی کو لے لیا۔

بھائی! خدا سے جو چاہو گے ملے گا، لیکن اگر خدا سے خود خدا ہی کو مانگ لو تو کیا وہ نہیں ملے گا؟ ضرور

ملے گا! اور جس کو خدا ہی مل گیا تو پیچھے کیا رہ گیا؟ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو تمہارے جی میں ہو، زور، قوت اور یقین کے ساتھ مانگو، جائز مانگو، ناجائز مت مانگو، کوئی پابندی نہیں ہے، ضرور ملے گا، خزانہ عام ہے، اور جب وہ خود کہہ رہے ہیں، انشاء اللہ روکیں گے نہیں۔

میں کہتا ہوں ساری چیزیں مانگ لو، اور ایک چیز مانگنے کی نہ چھوڑ دینا، وہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگ لو، "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ." یا اللہ! میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ اور وہ راضی ہو گئے، ان کی رضا مل گئی تو سب کچھ مل گیا، خدا کی قسم! اس کی رضا کے بعد پھر پیچھے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی اور خدانخواستہ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! توبہ! توبہ! اگر اس کی رضا نصیب نہیں ہوئی، پھر اگر تخت سلیمانی بھی دے دیا جائے، تو لغو اور لایعنی ہے، اس کی رضا کے بغیر کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں، تو دوسری چیز مانگنے کی رزق ہے، اور میں نے کہا کہ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے، دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں اس میں سمٹ آتی ہیں، اور ان نعمتوں کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور اللہ کی رضامندی مشروط ہے ایمان اور اہل اللہ کی صحبت اور معیت کے ساتھ، اس لئے اللہ کی رضامندی مانگو تو ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگو کہ:

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان صحیح نصیب فرما، ایمان کامل نصیب فرما، تقویٰ نصیب فرما، اپنے نیک اور مقبول بندوں کا دنیا اور آخرت میں ساتھ نصیب فرما، اور ان کے نقش قدم پر چلا۔

اللہ والوں کے ساتھ چلو گے تو اللہ تک ضرور پہنچو گے، بھائی جو راستہ جانتا ہو تم اس کے ساتھ ہو لیتے ہو، جب اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہو گے جب وہ پہنچے گا تو تم بھی پہنچ جاؤ گے، اس لئے کہ وہ راستہ جانتا ہے، اور تم جانتے نہیں، جب تم اس کے ساتھ چلے اور وہ تو راستہ جانتا تھا، وہ پہنچ گیا، تو تم بھی ساتھ پہنچ گئے، حالانکہ تم جانتے نہیں تھے۔

اہل اللہ کے ساتھ چلو گے، اللہ والے تو اللہ تک پہنچیں گے، مگر تمہیں بھی ساتھ لے کر کے پہنچیں گے، انشاء اللہ! اور یہی راز ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ." میں کہ یا اللہ! ہمیں چلا سیدھی راہ پر یعنی راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس میں صرف سیدھی راہ کی دعا نہیں سکھائی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی راہ بتائی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جن حضرات پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، جس راہ پر وہ چلے ہیں ان کی راہ پر چلو گے تو ممکن نہیں جہاں وہ پہنچے ہیں وہاں تم نہ پہنچو۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ اصل الاصول اور مقصد المقاصد، غایۃ الغایات آخری اور چوٹی کی چیز ہے اللہ کی رضا اور اسی کو فرمایا: "رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ." اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اسی کو فرمایا ہے: "یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ." اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ جا، "رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً" تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، "فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ

جَنَّتِیْ." میرے بندوں میں داخل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا، میرے بندے میری رضا کا مورد ہیں اور میری جنت میری رضا کا محل ہے۔

عافیت مانگیے

اور تیسری چیز عافیت ہے، جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، عافیت کا معنی ہے مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے حفاظت، جیسے مصیبتیں، بیماریاں، دکھ درد، پریشانیاں اور رنجش وغیرہ یہ ساری چیزیں جو انسان کو ناگوار گزرتی ہیں، ان سے بچالینا اس کو عافیت کہتے ہیں، اور پھر عافیت کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہو اور اللہ سے یہ مانگے کہ یا اللہ! مجھے تکلیف سے نجات عطا فرما۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی تکلیف اور کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے بچانا اور اس سے حفاظت فرمانا، حدیث میں ہے: "اَلَا مِنْ مُبْتَلًی فَاُعَافِیَهٗ." کیا ہے کوئی مبتلا کہ میں اس کو عافیت دوں، معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مصیبت میں، کسی تکلیف، کسی رنج میں مبتلا ہو چکا ہے وہ بھی مایوس نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو عافیت عطا فرمائیں گے، اور اس کے ساتھ جو مصائب ابھی نازل نہیں ہوئے ان سب سے اجمالی طور پر عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو کہ یا اللہ! میں فلاں فتنے سے تیری پناہ، اور فلاں فلاں مصیبتوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں، سب سے اللہ کی پناہ میں آجاؤ، سب سے بڑی دولت اللہ کی رضامندی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عافیت ہے، یہ رضا اور عافیت دو چیزیں جس کو مل گئیں تو سب کچھ مل گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ. فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِنَ الْعَافِیَةِ." (کنز العمال ج:۲ حدیث:۳۲۰۹)

یعنی اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو! اس لئے کہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں جس کو آدمی مانگے۔

جن پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں، ان سے بھی اور جن پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں ان سے بھی، بس انہی معروضات پر ختم کرتا ہوں، آپ حضرات دعا فرمائیں حق تعالیٰ شانہ ہمیں ایمان صحیح نصیب فرمائے، اپنی رضا نصیب فرمائے، ہماری بخشش فرمائے، اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جو کچھ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سب کچھ نصیب فرمائے، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور خدمات حدیث

مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، گجرات، انڈیا

ہندوستان کے مشہور علمی ادارے "مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیة" اعظم گڑھ یوپی میں صفر ۱۴۲۸ھ مطابق مارچ ۲۰۰۷ء کو دو روزہ بین الاقوامی علمی سیمینار بعنوان "ہندوستان اور علم حدیث تیرہویں اور چودہویں صدی میں" منعقد ہوا، جس میں جامعہ دار العلوم فلاح دارین گجرات کے رئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے بعنوان خاص "دورِ حاضر کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وانور شاہ کشمیریؒ ثانی، علم حدیث کے رمز شناس، محدث جلیل علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور خدمات حدیث" پر اپنا قیمتی مقالہ پیش کیا، قارئین بینات کے لیے برصغیر میں حضرت بنوریؒ کی خدمات حدیث کے حوالے سے یہ معلوماتی مقالہ قسط وار پیش خدمت ہے۔

ہندوستان اور علم حدیث

تیرہویں صدی اور چودہویں صدی ہجری میں برصغیر ہند کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت رہی کہ ان دونوں صدیوں میں بے شمار علماءِ محدثین وفقہاء پیدا ہوئے جنہوں نے اس فن شریف کی تدریس وتالیف اور اس کی طباعت ونشر کے ذریعہ ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔

یہ علماءِ محدثین اپنے بلند علمی مقام کے ساتھ تقویٰ وطہارت، اخلاص وللّٰہیت اور دعوت الی اللہ کے کاموں میں بھی امتیازی شان کے حامل تھے، ان کی انتھک محنت اور شبانہ روز جدوجہد کے سبب پورے عالم اسلام میں ان کے عظیم کارناموں کا اعتراف کیا گیا، نیز علم حدیث میں ان کے انہماک کے سبب شروحاتِ حدیث میں ان کی تالیفات کا قابلِ ذکر ذخیرہ وجود میں آ گیا جس کو پورے عالم اسلام کے علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھا گیا، ان محدثین کے قابلِ فخر تلامذہ اور مسترشدین نے علمِ حدیث کی نشرواشاعت اور دعوت وتبلیغ کی زبردست خدمات انجام دیں اور یہ سلسلہ الی یومنا ہذا بفضلہ تعالیٰ جاری وساری ہے۔

ان ہی عظیم محدثین میں حضرت علامہ محدث العصر سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی ذات

گرامی بھی شامل ہے جنہوں نے تقریباً نصف صدی تک علوم اسلامیہ اور خصوصاً سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ) کی اہم خدمت انجام دی اور تدریس وتالیف کے ذریعہ اس فن شریف میں قابل قدر اضافہ فرمایا۔

فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء

مختصر حالاتِ زندگی

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ضلع مردان کے ایک چھوٹے گاؤں مہابت آباد میں ایک علمی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے' آپ کے دادا امیر احمد خانؒ بڑے ذی وجاہت بزرگ تھے ان کے محلہ میں صرف وہی شخص سکونت کرسکتا تھا جو نماز کا پابند ہو' آپ کی دادی صاحبہ سیدہ فاطمہ بھی ولیہ تھیں' حضرت بنوریؒ فرماتے تھے کہ مجھے دعاؤں کا ذوق اپنی دادی صاحبہ سے حاصل ہوا' میں نے بہت چھوٹی عمر میں ظفر جلیل شرح حصن حصین پڑھ لی تھی' اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی۔

آپ کے والد ماجد سید مولانا زکریا نجیب الطرفین سید تھے اور صاحب حال بزرگ' جید عالم دین' حاذق طبیب اور تعبیر رؤیا کے امام تھے' کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے' والدہ محترمہ قبیلہ محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تھیں۔

ابتدائی تعلیم

محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن پاک اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا' امیر حبیب اللہ خانؒ کے دور میں افغانستان کے دار الحکومت کابل کے ایک مکتب میں علم صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں' اس دور کے مشہور استاذ شیخ حافظ عبد اللہ بن خیر اللہ پشاوری شہید ۱۳۴۰ھ ہیں' علاوہ ازیں فقہ' اصول فقہ' منطق' معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں''۔ (بینات بنوری نمبر' ص:۹)

دار العلوم دیوبند میں

کابل سے واپسی کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا' یہاں آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کے درجہ میں داخلہ لیا' دار العلوم دیوبند میں آپ نے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں' آپ کے اساتذہ میں مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا غلام رسول خانؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ' مولانا عبد الرحمن امروہیؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور خاتم المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ ایسے اساطین علم وفضل اور نابغۂ روزگار شخصیات شامل ہیں۔

دار العلوم میں جب کچھ اختلاف شروع ہوا اور علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے بعض رفقاء کے ساتھ

مستعفی ہوکر گجرات کے مشہور مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک' ضلع سورت تشریف لے گئے تو مولانا بنوریؒ بھی اپنے محبوب استاذ کے ہمراہ ڈابھیل روانہ ہوگئے اور جامعہ ڈابھیل میں دورہ کی تکمیل فرمائی۔

علامہ سید محمد انور شاہؒ نے چند ہی دنوں میں آپ کی صلاحیتوں اور اعلیٰ استعداد کا اندازہ لگالیا اور استاذ وشاگرد میں ایسا قوی تعلق پیدا ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کشمیریؒ کے علوم کا آپ کو وارث بنادیا' علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوت حافظہ' ذکاوت' متون وشروح حدیث کی وسیع معلومات' رجال وتاریخ' جرح وتعدیل' طبقات رواۃ کی واقفیت' تقویٰ وزہد کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا' علامہ بنوریؒ نے اپنی خداداد صلاحیت کے سبب اپنے استاذ کے ان علوم سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

علامہ کوثریؒ کے علوم سے استفادہ

ہندوستان کے ان نابغۂ روزگار اساتذہ کے علاوہ علامہ بنوریؒ نے عالم اسلام کے معروف عالم اور محقق علامہ محمد زاہد الکوثریؒ سے بھی بھرپور فیض اٹھایا۔

علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے کہ: ''میں شیخ سے اس زمانہ میں ملا جب میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے ''فیض الباری'' اور ''نصب الرایة'' کی طباعت کے لئے مصر گیا' میں نے شیخ سے علماء ہند کا تعارف کرایا۔

علامہ بنوریؒ نے شیخ زاہد الکوثریؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعت علمی' حیران کن مہارت' دقت نظر' خارق عادت حافظہ' محیرانہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ ساتھ علوم روایت کے تمام انواع واقسام' علم درایت کے تمام مقاصد ومدارک' مکارم اخلاق' خصائل حمیدہ' تواضع' قوت لایموت پر قناعت' زہد وتقویٰ' مصائب پر صبر واستقامت' کریمانہ ذات' اپنے خزائن علمیہ اور معارف گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے اس کے ساتھ ساتھ بسیطۂ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے' مزید براں دین کی آبرو کی حفاظت پر حمیت وغیرت اور ملت اسلامیہ تک حق بات پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے''۔ (مقدمۂ مقالات کوثریؒ بحوالہ خصوصی نمبر ص:۱۳۱)

اسی سفر میں شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ سے بھی ملاقات کی اور ان کی خدمت میں اپنے استاذ شاہ محمد انور رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' پیش کی' شیخ صبریؒ اس سے بہت محظوظ ہوئے اور اپنی کتاب ''موقف العقل والنقل'' میں اس کا ذکر کیا۔

اجازتِ حدیث

علامہ بنوریؒ کو حدیث شریف کی اجازت مندرجہ ذیل مشائخ ومحدثین سے حاصل تھی:

۱- امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
۲- حضرت مولانا عبد الرحمن امروہویؒ
۳- شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۴- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

۵-حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ
۶-شیخ حسین بن محمد الطرابلسیؒ
۷-الشیخ العلامہ محمد زاہد الکوثریؒ
۸-الشیخ عمرحمدان المقدسی المالکیؒ
۹-الشیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الشنقیطیؒ
۱۰-الشیخ خلیل الخالدی المقدسیؒ
۱۱-شیخہ امۃ اللہ بنت الشیخ عبدالغنی مہاجرہ مکہ مکرمہ۔

(بینات خصوصی نمبر ص:۷۴-۷۵)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں اس لطیفہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ دیوبند کے مورث اعلیٰ دو بزرگ ہیں ایک علم حدیث میں اور دوسرے طریقت وسلوک میں چنانچہ علماء دیوبند کا علمی رشتہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ثم مدنیؒ سے وابستہ ہے، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ ان کے بلاواسطہ شاگرد رشید ہیں، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ثم مدنیؒ کو ان کے بالواسطہ تلمذ اور بلا واسطہ اجازت حدیث حاصل ہے، دیوبند کا سلسلۂ طریقت قطب عالم سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے پیوستہ ہے دوراول اور دور دوم کے سارے اکابر دیوبند حضرت حاجی امداداللہؒ کے خلفاء ومسترشدین ہیں۔

حضرت بنوریؒ زمانہ کے لحاظ سے تو اکابر دیوبند کے طبقۂ چہارم میں آتے ہیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انہیں حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے صرف ایک واسطہ سے اجازت حدیث حاصل ہے: **عن المحدثة أمة اللّٰہ بنت الشاہ عبد الغنی عن أبیھا** ،اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بھی صرف ایک واسطہ سے اجازت وخلافت حاصل ہے (یعنی آپ کو حضرت نگینویؒ سے اور انہیں حضرت حاجی صاحب سے نیز آپ کو حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اور ان کو حضرت حاجی صاحب سے) حضرات محدثین کی اصطلاح کے مطابق علو سند کا یہ شرف اس زمانہ میں بہت کم حضرات کو حاصل ہوگا۔

(خصوصی نمبر ص:۷۳۲-۷۳۱)

وہ مشائخ کرام جن کو شیخ بنوریؒ نے روایتِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی:

۱-شیخ حسن مشاط مالکی، متوفی ۱۳۹۹ھ
۲-شیخ ابراہیم ختنی، متوفی ۱۳۸۹ھ
۳-شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن الصنیع ۱۳۹۷ھ
۴-شیخ عبدالعزیز عیون السود حمصی
۵-شیخ دکتور مصطفیٰ السباعی متوفی ۱۳۸۴ھ
۶-شیخ دکتور تقی الدین الندوی
۷-شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ الحلبی

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت وتزکیہ

علامہ عثمانیؒ نے آپ کو جو اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی اس میں تحریر فرمایا کہ:

''وھو فی ما اری- ولا ازکی علی اللہ احدا- صالح، راشد، مسترشد، مستقیم السیرۃ، جید الفھم، ذو مناسبۃ قویۃ بالعلوم، مستعد لتدریسھا''۔

اور اس سے قبل تحریر فرمایا ہے:

''فجد واجتهد في اكتساب علم السنة والقرآن وبرع فيه وفاق اقرانه ماشاء الله''۔

حضرت عثمانیؒ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا: ''مجھے جو قلبی تعلق آپ کے ساتھ ہے وہ خود آپ کو معلوم ہے، مجھے بہت سی علمی توقعات آپ کی ذات سے ہیں، سنن ابی داؤد کے درس سے میری تمنا پوری ہوئی، میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجہ کا کوئی سبق آپ کے ہاں ہو، الحمدللہ آپ کا درس مقبول ہے۔

(خصوصی نمبر ص:۳۹ے)

امیر شریعت شاہ عطاء اللہؒ کے تأثرات

ایک بار حضرت بنوریؒ ملتان تشریف لے گئے حضرت امیر شریعت علیل تھے، عیادت کے لئے ان کے در دولت پر حاضری دی، حضرت امیر شریعت خود باہر تشریف لائے، آپ سامنے کھڑے ہیں، مگر شاہ جی پوچھتے ہیں: کون؟ آپ نے سمجھا کہ شاید علالت کی وجہ سے پہچان میں فرق آ گیا اس لئے عرض کیا: محمد یوسف بنوری، شاہ جی نے پھر پوچھا: کون؟ آپ سمجھے کہ شاید مرض کی وجہ سے سماعت میں بھی فرق آ گیا ہے، اس لئے ذرا بلند آواز سے کہا: محمد یوسف بنوری، فرمایا: نہیں، نہیں، بلکہ انور شاہ، یہ کہہ کر آپ سے لپٹ گئے۔

درس وتدریس

اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوریؒ کو ہر فن میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی، عربی زبان وادب میں ایسی مہارت تھی کہ آپ کی تحریر وگفتگو سن کر عرب علماء متعجب ہو کر جھوم جھوم جاتے تھے مگر آپ کا خصوصی ذوق فن تفسیر اور حدیث پاک میں اشتغال تھا، آپ نے حدیث پاک کی جن کتابوں کا گہرائی اور توجہ سے مطالعہ فرمایا اس کی فہرست طویل ہے، شاید ہمارے دور کے بہت کم اہل علم نے ان کتب کا مطالعہ کیا ہوگا۔

مجلس علمی ڈابھیل سملک

حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ تلمیذ رشید حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''راقم الحروف کو مولانا محمد میاں سملکیؒ نے ۱۳۴۹ھ میں ڈابھیل بلایا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں مجلس علمی کی بنیاد ڈال کر اس کے کام احقر کے سپرد کر دیئے، پھر کچھ عرصہ قیام کر کے وہ بھی افریقہ چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۱۳۵۲ھ کے بعد مجلس علمی کی سرپرستی ان کے جانشین علامہ محقق مولانا عثمانیؒ نے منظور فرمائی، اس وقت احقر نے مولانا بنوریؒ کو پشاور سے جامعہ ڈابھیل بلانے کی تحریک کی، اور مہتمم صاحب جامعہ کی منظوری حاصل کر کے وہاں بلا لیا۔

موصوف نے درسی خدمات کے ساتھ مجلس علمی کے کاموں میں بھی میری اعانت وشرکت کی، حضرت شاہ صاحب کی مکمل سوانح عمری اعلیٰ درجہ کی فصیح وبلیغ عربی میں تالیف کی جو مجلس سے اسی وقت شائع ہوگئی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہی حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے مجلس علمی کی تحریک پر فیض الباری مرتب کی اور حضرت مولانا عبد العزیز صاحب گوجرانوالہ نے نصب الرایۃ کی تصحیح وتحشیہ کی خدمت انجام دی' ان تینوں کتابوں کو لے کر احقر اور مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ حرمین شریفین ہوتے ہوئے مصر گئے' اور وہاں نو دس ماہ رہ کر ان کو طبع کرایا' ساتھ ہی وہاں کے اکابر علماء کرام اور کتب خانوں سے استفادہ بھی کرتے رہے' مصر کا یہ سفر ۱۳۵۷ھ میں ہوا تھا' مصر سے واپسی کے دوران حجاز مقدس جانا ہوا وہاں سعودی فرماں روا ملک عبد العزیز سے ملاقات ہوئی' انہوں نے حجاز کے علماء اور کتب خانوں کے لئے فیض الباری کے سو نسخے خریدے۔

مصر سے واپس ہوکر یہ طے کیا گیا کہ مولانا بنوریؒ ''العرف الشذی '' پر کام کریں تا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات کو زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں نمایاں کیا جاسکے۔

غیر معمولی تلاش وجستجو

حضرت محدث بنوریؒ نے تلاش وتفحص اور مظان وغیر مظان سے اپنے شیخ کے علوم کی تخریج وتوضیح کا حق ادا کردیا ہے' محدث کشمیریؒ بحر بے کراں تھے' آپ کے درس میں حدیث کی روایت' درایت اور دوسرے مسائل کے سلسلہ میں دوسرے علوم وفنون کے حوالے آجاتے تھے' کہیں صرف ونحو کا مشکل حوالہ آجاتا' کہیں علم وفلسفہ کا کوئی مسئلہ زیر بحث آجاتا' پھر ایسی کتابوں کے حوالے آجاتے جو عام طور پر اہل علم کے یہاں متداول نہیں تھیں' مولانا نے متداول اور غیر متداول کتابوں سے مسائل نکالنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی اور اس کے لئے بے نظیر محنت کی شاندار مثال قائم کی' چند مسئلوں کی تحقیق کے لئے کئی کئی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی تب جاکر مسئلہ دستیاب ہوا۔

خود فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی قوت وطاقت تخریج ومآخذ سے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی' ورق گردانی' مظان اور غیر مظان سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی' کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں کئی کئی راتیں اور دن گذار دیتا اور اس کے لئے ایک ایک کتاب کی مجلدات پڑھتا اور جب مجھے اپنی متاع گم گشتہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا' شیخ نے دوران درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا اس سے مسائل نکالنے کا التزام کر رکھا تھا' لہذا میں کتاب سیبویہ' رضی شرح کافیہ' دلائل الاعجاز' اسرار البلاغۃ' عروس الافراح' کشف الاسرار دیکھنے پر مجبور تھا جس طرح میں شروح حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری' عمدۃ القاری اور فقہ مذاہب میں شرح مہذب' مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا اگر میری جوانی' بحث وجستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا عشق نہ ہوتا تو میں اس بار گراں کا اہل نہیں تھا' حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح میرے لئے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ آسان تھی۔ (جاری ہے)

عصبیت کا تعفن

اور ہماری ذمہ داری

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے، جس نے ایک انسان سے پوری انسانیت کو وجود بخشا اور درود وسلام ہو اس ہستی پر جس نے انسانیت کو آدابِ زندگی سکھائے اور خدا کی رحمتیں ہوں ان برگزیدہ لوگوں پر جن کے طفیل ہمیں ہدایت کی شمعیں نصیب ہوئیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنہیں بندگی کے خاص مقاصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، پھر ان کی کوکھ سے انسانیت کی اماں حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا فرمایا، پھر آگے ان کی اولاد میں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔(نساء:۱)

اولادِ آدم کا یہ پھیلاؤ اس قدر پھیلا کہ اب انسان ایک گھر یا گھرانہ سے کافی آگے جانے لگے تھے، یہانتک کہ شناخت اور پہچان کی ضرورت پیش آنے لگی تو حق تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت ومصلحت سے مختلف جتھوں اور قبائل سے موسوم ومتعارف کروادیا، تاکہ باہمی شناخت اور پہچان کا فائدہ حاصل ہوسکے۔(الحجرات:۱۳)

اور پھر ہر قبیلہ کے لئے مستقل رہنمائی کرنے والا اور سامانِ رشد وہدایت پہنچانے والے کا انتظام بھی فرمایا۔(الرعد:۷)

ظاہر ہے کہ زمانہ کی گردش کے ساتھ ساتھ انسان ہدایت کی شمعوں سے دور ہونے لگے، جس کے نتیجے میں انسانیت میں مختلف روحانی اور اخلاقی امراض در آئے، منجملہ ''عصبیت وتفاخر ہے'' یعنی اپنے نام ونسب اور قبیلہ وکنبہ کو اعزاز وافتخار کا نشان سمجھنا، ہر جائز وناجائز اور اچھے برے کی تمیز ختم کرکے تمام معاملات میں اپنے قبیلہ وکنبہ کے لئے مرمٹنے کا تاثر اور نظریہ اپنانا اور خاندانی وقبائلی تقسیم (جو منشأ خداوندی کے مطابق محض شناخت کے لئے تھی) کو عزت وذلت اور اونچ نیچ کی تقسیم سمجھنا۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرے روحانی واخلاقی امراض کی طرح اس مرض کے قلع وقمع کے لئے خوب خوب تعلیم فرمائی اور بے شمار وعیدات کے ذریعہ

اس بدبودار فکر سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور ایسے تمام افکار ونظریات کی حوصلہ شکنی فرمائی، جن سے لسانی، نسلی یا گروہی تعفن ابھر سکتا ہو، بلکہ ضابطۂ عام کے ذریعہ شرافت اور عزت کا مدار علم دین، تقویٰ وخشیتِ الٰہی کو قرار دیتے ہوئے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ:

''ان اللہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتی لایفخر احد علی احد ولایبغی احد علی احد''۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ: ۴۱۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے عاجزی وتواضع اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ہر قسم کے غلط فخر اور ظلم وزیادتی سے بچنے کا ارشاد فرمایا ہے''۔

اور حدیث میں تعصب کرنے والے قوم پرست اور نسل پرست تعصبی کو گبر (غلاظت کے کیڑے) کی مانند قرار دیا ہے جو گندگی سے پیدا ہوتا ہے، گندگی میں رہتا ہے اور گندگی ہی اس کا مشغلہ زندگی بنی رہتی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عصبیت، قوم پرستی اور نسل پرستی اسلام میں کس قدر ناپسند اور قابل نفرت چیز ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: نسب کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے سبب کسی کو برا کہا جائے یا عار دلائی جائے، بلکہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، تمہاری مثال دو برابر سرابر برتنوں کی ہے جو خالی ہوں یعنی کچھ نہ کچھ کمی سے کوئی فرد خالی نہیں، کسی کو کسی پر دین اور تقویٰ کے علاوہ کوئی فضیلت وترجیح نہیں ہے۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: جب آپ کسی مسلمان بھائی کو عصبیت وقومیت کے باعث شرم وعار کے مقام پر پاؤ تو اسے اس باعثِ شرم وعار مقام سے ہٹاؤ یعنی اس کی غلط ذہنیت، بری خصلت اور بے جا تعصب وتفاخر سے باز رکھنے میں اس مسلمان بھائی کی مدد کرو، کیونکہ اگر وہ اس غلاظت میں لتھڑا رہا اور اسی حالت پر اسے موت آگئی تو بے چارہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں شمار نہ ہو سکے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''ولیس منا من مات علی عصبیۃ''۔ (مشکوٰۃ: ۴۱۷)

ترجمہ: ''جسے عصبیت پر موت آئی وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ یعنی ایسے فرد کا شمار امت محمدیہ میں نہ ہوگا۔

لہٰذا ہمیں اپنی ذہنی فکر وسوچ اور اپنے عمل وکردار کا خوب تجزیہ کرلینا چاہئے کہ خدانخواستہ ہم ''عصبیت'' کے روحانی مرض کا شکار ہو کر کہیں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں شمولیت کے عظیم شرف سے محروم تو نہیں ہو رہے۔ نیز ہماری یہ بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنے ان بھائیوں کو بھی عصبیت کے چوہڑ سے دور کریں جو لسانیت، قومیت یا علاقائیت کے خوشنما نعروں کے جال میں پھانسے جاچکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ حق کا فدائی اور شیدائی بنادے اور دنیا کے مختلف جھوٹے نعروں کی لعنت سے محفوظ فرمائے، آمین۔

اسلام کی اشاعت کیلئے الیکٹرانک میڈیا کا استعمال

سعید احمد جلالپوری

ملک میں ٹی وی چینلوں کی بھرمار اور ان کے ذریعہ مخرب اخلاق پروگراموں کی نشرواشاعت کے بعد ہر دردمند مسلمان پاکستانی کے دل میں یہ سوال اُٹھا ہوگا کہ ان سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟ اخلاق سوزی کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھنے کی کیا سبیل ہوگی؟ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ اور فحاشی کے خاتمہ کا کیا طریقہ ہوگا؟

چنانچہ ان سوالات کا جواب دینے اور اپنے خلاف' اسلام کے حامی عناصر کی ممکنہ مہم کا رخ بدلنے کی غرض سے ان چینلوں نے جہاں اسلامی تعلیمات کے فروغ کے نام پر ''عالم آن لائن' غامدی' الف'' وغیرہ جیسے اسلام دشمنی اور بے دینی پر مشتمل پروگرام نشر کرنا شروع کئے' وہاں بعض افراد نے حق' لبیک اور اس جیسے دیگر ناموں سے کئی نئے چینلوں کا آغاز کردیا' جن کا مقصد بادی النظر میں اسلامی تعلیمات کا فروغ اور اسلام کے بارہ میں بین الاقوامی پراپیگنڈا کا جواب دینا تھا۔

ان چینلوں نے کئی نئی ابحاث کو جنم دیا۔ نئے نئے افراد اسلامی اسکالرز کے روپ میں سامنے آنے لگے' شرعی مسائل کے نام پر ایسی باتیں بتلائی جانے لگیں جن کو شاید پوری امت مسلمہ نے چودہ سو سال میں نہ سنا ہو' کئی مسالک کے علماء کو ایک جگہ بٹھا کر ایک ہی مسئلہ کے بارہ میں ان کی رائے معلوم کرکے سائل کو الجھا دیا گیا اور علماء کے اختلاف رائے کو ہوا دے کر مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ خود علماء میں ان مسائل کے حوالہ سے اختلافات موجود ہیں' اس لئے عوام الجھ کر رہ گئے کہ وہ کس کی پیروی کریں؟ کس مسلک پر عمل کریں؟ کس عالم کا بیان کردہ مسئلہ کا حل صحیح اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے؟ اس طرح ان پروگرامز میں علماء کی شرکت اور ان میں دیئے جانے والے ''فتوؤں'' نے مسائل کو حل کرنے کے بجائے مزید گنجلک کردیا' اور علماء پر مسلمانوں کا اعتماد پختہ ہونے کے بجائے متزلزل ہونے لگا۔

اس کے ساتھ ساتھ ماضی میں اٹھنے والا یہ سوال ایک مرتبہ پھر سامنے آگیا کہ کیا اسلام کے فروغ کے

لئے ٹی وی اور دیگر تصویری ذرائع کو استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر اسلام کی نشر واشاعت کے لئے الیکٹرونک یا ڈیجیٹل میڈیا کو کس حد تک استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اہل حق کو اپنا کوئی ٹی وی چینل قائم کرنا چاہئے یا نہیں؟

ایک مستفتی نے اس صورت حال کے تناظر میں چند سوالات لکھ بھیجے، جن کے جواب کو قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ چنانچہ سوالات اوران کا جواب ملاحظہ ہو:

''محترم جناب حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس استفتاء کا مقصد آپ کی توجہ ایک اہم مسئلہ کی طرف دلانا مقصود ہے، جس نے اہل حق کے مابین عقیدہ اور فکر کے اعتبار سے گہرے اختلافات کو جنم دیا ہے، بدقسمتی سے یہ فکری تغیر بھی اس نام نہاد ''روشن خیالی'' کی کالی آندھی کا نتیجہ ہے جو اکتوبر ۲۰۰۱ء سے چلنا شروع ہوئی، آپ کے سامنے پوری صورتحال رکھنے کا مقصد علماء حق، جو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرمارہے ہیں، کا واضح اور دوٹوک موقف جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔

حضرت! ایک عرصہ سے ملک عزیز کے علماء کرام کے درمیان ایک بات پر بحث چل رہی ہے کہ آیا ٹی وی کے ذریعہ درس قرآن اور دیگر دینی پروگرام کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی علماء کرام ٹی وی پر آکر مختلف دینی پروگراموں کا انعقاد کریں اور پھر اس سلسلہ میں اہل حق اپنا کوئی ٹی وی چینل قائم کریں تاکہ دیگر خرافات سے بچا سکے، لیکن چونکہ کوئی ٹھوس بات طے نہ ہوسکی، اس لئے علماء کرام کی ٹی وی پروگراموں میں شرکت کے جواز کا فتویٰ کہیں سے جاری نہ ہوا، لیکن اب اچانک صورتحال بدل گئی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ بالآخر علماء کرام نے ٹی وی کو گلے لگا ہی لیا۔

چنانچہ اتوار ۲۵/ مارچ کو گلستان انیس کلب واقع شہید ملت روڈ (بہادرآباد) میں ''تحفظ حدود اللہ'' کے بینر تلے نام نہاد ''حقوق نسواں بل'' کے موضوع پر پروگرام کیا گیا، اس پروگرام میں شہر کے جید علماء کرام نے شرکت کی۔ اس پروگرام میں عوام کی کثیر تعداد کے علاوہ فوٹو گرافر بھی موجود تھے، بلکہ ایک ٹی وی کا کیمرہ پورے پروگرام کو فلم بند کررہا تھا، پروگرام کے اختتام پر اسٹیج سے اعلان ہوا کہ یہ پروگرام ٹی وی کے ''حق چینل'' پر نشر کیا جائے گا، اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ ہر بدھ کو رات دس بجے اسی چینل پر ایک عالم دین .... کا درس قرآن کا پروگرام آیا کرے گا، اس پروگرام کی ابتدا بدھ ۲۸/ مارچ سے ہوگی، بندہ کو جو

اطلاع موصول ہوئی ہے' اس کے مطابق اتوار ۲۵/ مارچ کا پروگرام حق چینل پر ۳۱/ مارچ کو رات دس بجے نشر کیا جائے گا۔

الحمد للہ! ہم بحیثیت عام مسلمان' زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر مسئلہ میں اپنے علماء کرام کی طرف دیکھتے اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں' اور اس کو دنیا میں اپنی کامیابی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں' لہٰذا آپ سے اس بارے میں بھی رہنمائی کی سخت ضرورت ہے کہ کیا گھر میں ٹی وی کا رکھنا اور اس پر فقط دینی پروگراموں کا دیکھنا جائز ہے؟ جب علماء کرام کا ٹی وی پر آنا جائز ہے تو عوام کا ان پروگراموں کا دیکھنا بھی جائز ہوگا' یہ تو ایک سادہ سی بات ہے' لیکن ٹی وی پر آنے کے جواز کا فتویٰ اگر جاری ہوا تو پھر اس کے ذیل میں ان گنت سوالات پیدا ہوں گے' جن کا تشفی بخش جواب دینا ضروری ہوگا۔

امید ہے کہ آپ ہماری مکمل رہنمائی فرمائیں گے اور امت مسلمہ کو اس نئے فکری بھونچال سے نجات دلائیں گے۔

بندہ: ابوطلحہ' عالمگیر مسجد بہادرآباد' کراچی'

جواب:...... تصویر بنانا اور بنوانا دونوں حرام ہیں اور اس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر بنانے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔ چونکہ ٹی وی میں تصویر ہوتی ہے' اسی طرح وہ پروگرام جو کیمرہ کے ذریعہ محفوظ کرکے ویڈیو کی شکل میں چلائے جاتے ہیں' وہ بھی تصویر کے حکم میں ہیں' اس لئے ٹی وی اور ویڈیو کے پروگرام کرنا اور دیکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ اس پر ہمارے تمام اکابر کا فتویٰ ہے۔

بایں ہمہ اگر کوئی عالم یا مولوی ٹی وی پر آتا ہے یا اپنی ویڈیو بناتا' بنواتا یا اس کی اجازت دیتا ہے' تو کسی ایک عالم یا چند علماء کے اس عمل کو ٹی وی اور وی سی آر کے جواز پر بطور استدلال پیش کرنا درست نہیں' اس لئے کہ یہ ان کا انفرادی عمل ہے۔

۲:...... اس کے ساتھ ہی یہ بات آج کل زیر بحث ہے اور اس پر تحقیق کی جارہی ہے کہ جو پروگرام ویڈیو کیسٹ اور سی ڈیز میں محفوظ کرلئے جاتے ہیں' وہ تصویر کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ علماء کا ایک طبقہ اس کو تصویر نہیں سمجھتا' ان کا کہنا ہے کہ چونکہ ویڈیو اور سی ڈی کی موجودہ حالت میں تصویر نظر نہیں آتی' بلکہ وہ چند نقطے ہوتے ہیں اور ویڈیو کیسٹ یا سی ڈیز میں خوردبین لگاکر بھی ان کو نہیں دیکھا جاسکتا' البتہ جب ٹی وی اور کمپیوٹر میں ڈال کر ان کو چلایا جاتا ہے' تو ٹی وی اور کمپیوٹر کی مشین ان کو جوڑ کر ایک شکل بنادیتی ہے' لہٰذا یہ تصویر نہیں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا طبقہ اور اہل علم کی قابل اعتماد جماعت اس کو بھی تصویر کہتی ہے' کیونکہ جب وہ ٹی وی اور کمپیوٹر پر دیکھتے وقت تصویر ہے' تو اس کا حکم بھی تصویر ہی کا ہوگا۔

ہمارے اکابر کی یہی تحقیق ہے، اور یہی قابل اعتماد ہے اور اسی میں ہی سلامتی ہے، باقی جن حضرات کا عمل آپ نے نقل فرمایا ہے، ان ہی سے دریافت کیا جائے کہ اب تک جو چیز متفقہ طور پر ناجائز تھی، اب وہ جائز کیسے ہوگئی؟

پھر ان حضرات کے اس عمل سے گناہ اور بدکاری کی راہ کھل جائے گی، اور جب ٹی وی گھر میں آ جائے گا، تو خیر سے جائز و ناجائز کی تحقیق ثانوی درجہ میں چلی جائے گی۔

رہی یہ بات کہ کفر نے اسلام کے خلاف ٹی وی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے، تو ہم اس کو اشاعت اسلام کے لئے استعمال کیوں نہ کریں؟ بلا شبہ بادی النظر میں یہ جذبہ اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر اس امت کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اس نے اشاعت اسلام کے لئے کسی ناجائز کو ذریعہ نہیں بنایا، اگر اس کی اجازت ہوتی تو چوروں کی اصلاح کے لئے چوروں کے گروہ میں اور زانیوں کی اصلاح کے لئے زانیوں کے گروہ میں شامل ہونا، بلکہ کافروں کی اصلاح کے لئے کافروں کے گروہ میں شامل ہونا جائز ہوتا۔

● پھر اس کے علاوہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ اغیار کے پاس ہو، وہ ہمارے پاس بھی ہو، کیونکہ شیطان کو انسانی قلوب میں وساوس ڈالنے اور اس پر تسلط کا جو اختیار حاصل تھا اور ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہوتا، کیونکہ اشاعت کفر کے لئے شیطان جب یہ ہتھیار استعمال کر سکتا ہے، تو اللہ کا نبی اس کا زیادہ مستحق ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح جب شیطان انسانی قلوب کی اسکرین پر اپنے وساوس کے ذریعہ گناہوں اور بدکاریوں کی فلم دکھاتا ہے، تو ہمیں بھی اس کی اجازت ہونا چاہئے تھی۔

پھر ٹی وی اور وی سی آر کے جواز کے لئے یہ دلیل بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ اگر ہم نے ان کو نہ اپنایا تو لادین قوتیں اس کو دین کے بگاڑ کے لئے استعمال کریں گی اور اسلام کا حلیہ بگڑ جائے گا اور اسلام اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس قدر تسلط دینے کے باوجود بھی آج تک اسلام کو محفوظ رکھا ہے، تو آئندہ بھی تحریف سے اُسے بچائے گا، اس کے علاوہ ٹی وی کا پیغام حقانیت کی دلیل بھی نہیں، ورنہ شیطان کا پیغام، جو پوری دنیا میں ہے، حق ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں، لہٰذا ہم دین اسلام کی اشاعت اور اس کی حفاظت کے مکلف ضرور ہیں، مگر جائز طریقہ پر اور بس۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

سعید احمد جلال پوری

میڈیا کا ''رنگین اسلام''

محمد عمر انور

زیر نظر مضمون گذشتہ ماہ کے ''بینات'' میں ''ٹی وی چینلوں کا رنگین اسلام'' کے عنوان سے چھپنے والے مضمون ہی کا تسلسل ہے، ''روشن خیال'' اور ''دینی توازن واعتدال کی سمجھ'' رکھنے والے حضرات اسے شاید راقم کی ''شدت پسندی'' یا ''دور حاضر کے تقاضوں سے ناواقفیت'' سے ہی تعبیر کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات حاضر وغائب، ماضی ومستقبل کی تمام قیود سے آزاد ہیں۔ مسلمہ محرمات شرعیہ کو حاضر وغائب کی تفریق سے نہیں بدلا جاسکتا، اور نہ ہی اپنے نفس کی سہولت کے لیے محرّمات میں کسی قسم کی کوئی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، رہی بات اس قول کی جس میں فرمایا گیا ہے کہ: **''من لم یعرف عصر أو أهل زمانه فهو جاهل''** تو اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ حرام یا مشتبہ اشیاء میں ''عصر حاضر کے تقاضوں'' یا ''عوام الناس کے ابتلاء'' کا لاحقہ لگا کر لچک اور ڈھیل والا رویہ اختیار کیا جائے، بلکہ ہر زمانے کے مسائل کا جاننا صرف اس لیے ضروری ہے تا کہ اس کی کوکھ سے جنم لینے والے نت نئے فتنوں کا انسداد کیا جاسکے۔

بعض ساتھیوں نے کہا کہ اگر صحیح مستند علماء اور دین کا درد رکھنے والے حضرات ٹی وی پر آکر صحیح دینی نقطۂ نظر پیش نہیں کریں گے تو لازمی بات ہے کہ ''غامدی صفت'' جیسے حضرات ہی دین کے عنوان سے رونما ہوں گے، لیکن یہ بات میری ناقص بلکہ ''جذباتی فہم'' سے بالاتر ہے کہ ایک چیز جس کا مقصد تخلیق ہی شر کے لیے ہوا ہو اس سے خیر کی نشر واشاعت کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ شر کی آگ کے اس سمندر میں خیر کے موتی کی جستجو کے لیے غوطہ زن ہونا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے زیادہ کچھ نہیں، مشہور منطقی اصول ہے کہ نتیجہ ہمیشہ اخس وارذل کے تابع ہوتا ہے، یعنی شر کی اس کثرت میں خیر سے بھی شر ہی پھوٹنے کے امکانات ہیں، اس موقع پر اپنے اساتذۂ کرام سے سنا ہوا محدث العصر حضرت بنوریؒ کا وہ تاریخی جملہ یاد آرہا ہے کہ ''یوسف بنوری حرام اور غیر شرعی چیزوں سے دین پھیلانے کا مکلّف نہیں''۔

جہاں تک علماء کرام کے ٹی وی پر تشریف نہ لانے کی بات ہے تو اس سے راقم کی مراد مطلقاً یہ نہیں کہ ٹی وی پر بالکل بھی ''جلوہ افروز'' نہیں ہونا چاہیے، بلکہ حدود آرڈیننس، لال مسجد اور جامعہ حفصہ جیسے حساس اور سنگین معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں، ان جیسے نازک حالات میں اپنے موقف کی صحیح وضاحت اور پروپیگنڈے کے خاتمے کے لیے ٹی وی پر اضطراری طور پر بدرجہ مجبوری آیا جاسکتا ہے، لیکن جو چیز سب سے زیادہ خطرناک اور بظاہر بڑی خوش نما دکھائی دے رہی ہے، وہ اسلام اور مذہب سے متعلق وہ مکالمے اور مباحثے یا سوال و جواب کے وہ پروگرام ہیں جس کی منظر کشی اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک طرف ''مجبور و لاچار'' عالم دین ان ''غنڈے نما لادین مجتہدوں'' کے ہاتھوں بے بس نظر آتا ہے، جن کے پاس دلائل کی میز پر اپنی کھوٹی عقل پر اعتماد کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ہوتی، جن کے نزدیک قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کی حیثیت تاریخی ڈھکوسلوں سے زیادہ نہیں، جن لوگوں نے آزادی اظہار رائے کے نام پر دین کو تختۂ مشق بنالیا ہے، آزادی اظہار رائے کی مغربی اصطلاح سے یہی مراد ہے کہ ہر فرد و بشر کو آزادی ہے کہ وہ دین کے معاملات، عبادات، عقائد اور فقہ پر گفتگو کرسکے۔ خواہ وہ اس کی اہلیت، قابلیت اور علمیت کا حامل ہو یا نہ ہو۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا ٹی وی والے سائنس، معاشیات، عالمی حالات کے کسی پروگرام میں کسی اداکار یا اداکارہ یا فن سے غیر متعلق آدمی کو کبھی شریک کرتے ہیں؟! صرف مذہبی ودینی پروگرام میں مذہب سے لاتعلق غیر ماہرین کی شرکت کا مطلب مذہب کو مذاق بنانے کے سوا اور کیا ہے؟ وہ لوگ جو آج کے عام معاشرے میں بھی ناپسندیدہ، حقیر اور بے توقیر سمجھے جاتے ہیں، ان کو ٹی وی پر دینی مباحثوں اور مذاکروں میں مدعو کیا جاتا ہے، مکالمہ اور آزادی اظہار رائے کا یہ بھی مقصد نظر آتا ہے کہ ہرایرا غیرا جو دین اور فقہ اسلامی کی الف بے نہیں جانتا دین پر اعتراضات اٹھائے اور علماء کرام ان کے جواب دیتے رہیں، مثال کے طور پر جب مخلوط میراتھن دوڑ کا مسئلہ درپیش ہوا تو اسی قسم کے مباحثوں میں بار بار یہ سوال دہرایا گیا کہ آخر میراتھن دوڑ میں کیا حرج ہے؟ آخر حج وعمرے کے موقع پر طواف کعبہ کے وقت بھی تو عورتیں دوڑتی ہیں، حضرت ہاجرہ بھی تو پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں، پستیٔ فکر کی انتہا یہ ہے کہ یونان سے نکلنے والی میراتھن دوڑ کو حج وعمرہ کی مقدس ترین عبادات کے مناسک سے جوڑ دیا گیا، آزادی اظہار رائے اور مکالمے کی مغربی اصطلاح کا صرف اور صرف یہی مطلب ہے کہ دین کو حقیر ٹھہرایا جائے اور رائے کی آزادی کے نام پر سوال اور استفسار کی صورت میں ہر ایک کو اعتراض کا موقع دیا جائے، حالانکہ اعتراض اور استفسار میں فرق ہے، استفسار لاعلمی سے علم کا سفر ہے، استفسار کا مقصد الجھن کو حل کرنا ہے، اسلام میں الجھن دور کرنے کے لیے استفسار کی اجازت ہے لیکن اعتراض کرنے کی نہیں، اعتراض کا مقصد اپنے علم پر غرور اور دین کو غلط سمجھنا ہے، ہمارا دینی طبقہ ان مواصلاتی مباحث کی ماہیت وحقیقت سے بے خبر ہے، سادہ لوح دین دار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دین کی خدمت کررہے ہیں، گمراہ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں، ٹی وی کے ذریعے دین کی نشر واشاعت کررہے ہیں،

لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس ٹی وی نے دین کو ہنسی مذاق بنادیا ہے اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز صورت حال یہ ہے کہ علماء کرام دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ٹی وی چینلوں پر اپنے وجود کا احساس دلا رہے ہیں، جہاں سے ان کا اٹھ جانا ضروری ہے، علماء کا مذاکرہ اور مباحثہ علماء سے ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن علماء کے مذاکرے اور مکالمے جدیدیت پسند مفکرین، کسی شوبزنس کی شخصیت، سیکولر دانشوروں اور ادھر ادھر سے بلائے گئے نام نہاد شخصیات سے کرائے جارہے ہیں جو ضروریات دین کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے اور اسلام کے مسلمہ عقائد وافکار کے منکر ہیں، مکالمہ برابر کی سطح پر ہوتا ہے، بازار کے لوگوں سے نہیں، مکالمہ اپنی سطح کے فرد سے ہوتا ہے، تاریخ ایسی حماقت کبھی برداشت نہیں کرسکتی کہ دین ومذہب جیسے حساس موضوع سے لاتعلق فرد کو اس موضوع پر گفتگو کے لیے بٹھادیا جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ''آپ کے مسائل اور ان کے حل'' کی ساتویں جلد سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے میڈیا اور ٹی وی کے ذریعے دین اسلام کی دعوت وتبلیغ سے متعلق چند مختصر مگر پر اثر جوابات نقل کردیے جائیں جو مختلف مواقع پر آپ نے سائلین کو دیے، یہ جوابات روزنامہ جنگ کے مشہور سلسلے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں شائع ہوئے اور ''خیر الکلام ما قلّ و دلّ'' کا بہترین مصداق ہیں۔

چنانچہ حضرت شہیدؒ لکھتے ہیں:

- ''جو آلات لہو ولعب کے لیے موضوع ہیں انہیں دینی مقاصد کے لیے استعمال کرنا دین کی بے حرمتی ہے''۔
- ''شریعت میں تصویر مطلقاً حرام ہے، خواہ دقیانوسی زمانے کے لوگوں نے ہاتھ سے بنائی ہو یا جدید سائنسی ترقی نے اسے ایجاد کیا ہو''۔
- ''ہماری شریعت میں جاندار کی تصویر حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے، ٹیلی ویژن اور ویڈیو فلموں میں تصویر ہوتی ہے جس چیز کو آنحضرت ﷺ حرام اور ملعون فرمارہے ہوں اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان چیزوں کو اچھے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ خیال بالکل لغو ہے، اگر کوئی ام الخبائث (شراب) کے بارے میں کہے کہ اس کو نیک مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے تو قطعاً لغو بات ہوگی، ہمارے دور میں ٹی وی اور ویڈیو ''ام الخبائث'' کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ سینکڑوں خبائث کا سرچشمہ ہیں''۔
- ''جو نکات آپ نے پیش فرمائے ہیں اکثر وبیشتر پہلے بھی سامنے آتے رہے

ہیں، ٹی وی اور ویڈیو فلم کا کیمرہ جو تصویریں لیتا ہے وہ اگرچہ غیر مرئی ہیں لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہے اور اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے، اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے فرسودہ نظام کی بجائے سائنسی ترقی میں تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کرلیا گیا ہے، لیکن جب شارع نے تصویر کو حرام قرار دیا ہے تو تصویر سازی کا طریقہ خواہ کیسا ہی ایجاد کرلیا جائے تصویر تو حرام ہی رہے گی، اور میرے ناقص خیال میں ہاتھ سے تصویر سازی میں وہ قباحتیں نہیں تھیں جو ویڈیو فلم اور ٹی وی نے پیدا کردی ہیں''۔

۞ ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ویڈیو فلم اور ٹی وی سے تبلیغ اسلام کا کام لیا جاتا ہے، ہمارے یہاں ٹی وی پر دینی پروگرام بھی آتے ہیں لیکن کیا میں بڑے ادب سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان دینی پروگراموں کو دیکھ کر کتنے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے؟ کتنے بے نمازیوں نے نماز شروع کردی؟ کتنے گناہ گاروں نے گناہوں سے توبہ کرلی؟ لہذا یہ محض دھوکا ہے، فواحش کا یہ آلہ جو سرتاسر نجس العین ہے اور ملعون ہے اور جس کے بنانے والے دنیا و آخرت میں ملعون ہیں وہ تبلیغ اسلام میں کیا کام دے گا؟ بلکہ ٹی وی کے یہ دینی پروگرام گمراہی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ ہیں، شیعہ، مرزائی، ملحد، کمیونسٹ اور ناپختہ علم لوگ ان دینی پروگراموں کے لیے ٹی وی پر جاتے ہیں اور اناپ شناپ جو ان کے منہ میں آتا ہے کہتے ہیں، کوئی ان پر پابندی لگانے والا نہیں اور کوئی صحیح وغلط کے درمیان تمیز کرنے والا نہیں، اب فرمایا جائے کہ یہ اسلام کی تبلیغ واشاعت ہورہی ہے یا اسلام کے حسین چہرے کو مسخ کیا جارہا ہے؟؟!! رہا یہ سوال کہ فلاں یہ کہتے ہیں اور یہ کرتے ہیں، یہ ہمارے لیے جواز کی دلیل نہیں''۔

۞ ''یہ اصول ذہن میں رکھیے کہ گناہ ہر حال میں گناہ ہے، خواہ (خدانخواستہ) ساری دنیا اس میں ملوث ہوجائے، دوسرا اصول یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ جب کوئی برائی عام ہوجائے تو اگرچہ اس کی نحوست بھی عام ہوگی مگر آدمی مکلف اپنے فعل کا ہے، پہلے اصول کے مطابق کچھ علماء کا ٹیلی ویژن پر آنا اس کے جواز کی دلیل نہیں، نہ امام حرام کا تراویح پڑھانا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے، اگر طبیب کسی بیماری میں مبتلا ہوجائیں تو بیماری ''بیماری'' ہی رہے گی، اس کو ''صحت'' کا نام نہیں دیا جا سکتا''۔

وطن اصلی اور وطن اقامت کا مسئلہ!

مولوی عبدالواحد ایاز

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

۱-زید کی جائے ملازمت اس کے گھر سے تقریباً سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے‘ وہاں اس کے کمرے میں اس کا ذاتی بستر‘ چار پائی اور دیگر سامان موجود ہے‘ وہ کبھی تو پندرہ دن کی نیت کر کے وہاں رہتا ہے اور کبھی پندرہ دن سے کم‘ اب اگر اس کی پندرہ دن سے کم کی نیت ہے‘ تو وہاں نمازیں پوری پڑھے یا قصر کرے؟ علمائے کرام سے سن رکھا تھا کہ کسی کی وطن اقامت میں پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت ہے تو اس کے لئے وہاں قصر نماز ہوگی۔ اب ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ وطن اقامت میں اگر اس کا ایک کمرہ ہے اور اس کی چابی بھی اس کے پاس ہے تو اگر کسی بھی وقت اس نے وہاں پندرہ دن رہنے کی نیت کرلی تو مقیم ہو جائے گا۔ وطن اقامت‘ وطن اصلی میں آنے جانے کی وجہ سے باطل نہ ہوگا۔ وطن اصلی سے وطن اقامت میں آتے ہی وہ مقیم ہو جائے گا‘ اگر چہ وطن اقامت میں اس نے پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کی ہو‘ اس عالم دین نے علامہ شامی اور چند دیگر عصر حاضر کے علماء کا زبانی طور پر حوالہ دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ وطن اقامت کے بارے میں مفتی بہ قول کو مع حوالہ جات تحریر فرمائیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ وطن اقامت کون کونسی شرائط کی بناء پر باطل نہ ہوگا۔

۲-ایک دینی طالب علم جو کم از کم ایک سال تک کسی مدرسہ میں قیام کا ارادہ رکھتا ہو‘ اور وہ ایک بار پندرہ دن سے زائد کی نیت سے مذکورہ مدرسہ میں قیام کر چکا ہے۔ اب اگر وہ مدرسہ میں پندرہ دن سے کم کی نیت سے آئے تو کیا مدرسہ میں قصر نماز پڑھے یا پوری؟ جب کہ وہ مدرسہ کے جس کمرہ میں رہتا ہے اس کے مشترکہ تالے کی ایک چابی اس کے پاس ہے‘ اس کا ذاتی بستر‘ چار پائی‘ پیٹی اور کپڑوں کا بیگ وغیرہ مدرسہ میں ہوتا ہے۔

۳-اب تک اگر وہ طالب علم پندرہ دن سے کم رہنے کی صورت میں قصر نمازیں پڑھتا اور پڑھاتا رہا تو اس کی ان گذشتہ نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

ازراہ کرم جواب عنایت فرمائیں‘ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا وآخرت کی کامیابی سے سرفراز فرمائیں۔

مستفتی: دوست محمد متعلم موقوف علیہ

الجواب ومنه الصدق والصواب

واضح رہے کہ وطن اقامت کے بارے میں فقہ حنفی کی کتابوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے بنیت سفر نفس خروج ہی وطن اقامت کے لئے مبطل ہے، جیسا کہ ''الدر المختار'' ج:۲، ص:۱۳۲ باب صلاۃ المسافر میں ہے:

''(و) یبطل (وطن الاقامة بمثله و) بالوطن الاصلی (و) بانشاء (السفر)''۔

اور فتاوی ہندیہ الباب الخامس عشر، ج:۱، ص:۱۴۲ میں ہے:

''ووطن الاقامة یبطل بوطن الاقامة وبانشاء السفر وبالوطن الاصلی هکذا فی التبیین''۔

اسی طرح حلبی کبیر: ''فصل فی صلاة المسافر: ص:۵۴۴، ط: سہیل اکیڈمی میں ہے۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقیم آدمی اگر بنیت سفر وطن اقامت سے چلا جائے تو دوبارہ جب اس وطن اقامت میں پندرہ دن سے کم کی نیت کر کے آئے گا تو وہ مسافر رہے گا اور قصر نماز پڑھے گا، لیکن ان عبارات فقہیہ کی صحیح مراد سمجھنے کی ضرورت ہے۔

وہ یہ کہ عبارات فقہیہ پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے محض سفر کرنا ہی وطن اقامت کے لئے مبطل نہیں ہے یعنی وطن اقامت محض سفر کرنے سے باطل نہیں ہوتا، بلکہ سفر بصورت ارتحال مبطل ہے یعنی یہ بطلان اس وقت ہوگا جب کہ وطن اقامت سے جاتے وقت اپنا سامان وغیرہ بھی ہمراہ لیجا کر وطن اقامت کو بالکلیہ ختم کر دے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ مذکورہ شخص کا ارادہ فی الحال دوبارہ یہاں آنے کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا، کیونکہ وطن اصلی سے سفر کرنا وطن اصلی کے چھوڑنے پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اہل وعیال وغیرہ کی موجودگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جانے والا اس مقام پر دوبارہ واپس آنے کے قصد وارادہ سے جارہا ہے، لہذا اگر وطن اصلی سے جانے والا کوئی شخص اہل وعیال سمیت چلا جائے اور کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی بنالے اور پہلے والے وطن اصلی کو بالکلیہ ختم کر دے تو ایسی صورت میں پہلے والے وطن اصلی کی وطنیت بھی ختم ہو جاتی ہے، یہ بات کتب فقہ میں مصرح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بطلان وطن کا مدار ترک وطن یا اعراض عن التوطن پر ہے، محض خروج بنیت سفر پر نہیں، پس جس خروج سے بھی ترک توطن کا عزم کر لیا اور وہاں سے نکل پڑا اور اس وطن کی رہائش بالکلیہ ختم کر دی، یا کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی بنالیا، تو وہ وطن باطل ہو جائے گا، خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت ہو۔

البتہ ان دونوں وطنوں سے سفر کرنے میں عام طور پر ایک فرق ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں وطنوں کے متعلق حکم مختلف ہوا کرتا ہے، وہ یہ کہ:

وطن اصلی سے سفر عام حالات میں بدوں ارادہ ترک وطن ہوتا ہے یعنی کسی حاجت وغیرہ کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے پھر واپس اسی وطن پر آنا ہوتا ہے اور یہ سفر بصورت ارتحال نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف وطن اقامت سے سفر عموماً بارادۂ ترک وطن ہوتا ہے' کیونکہ اصلی رہائش تو کسی اور جگہ ہوتی ہے' یہاں ضرورت کے لئے قیام تھا' ضرورت پوری ہونے پر یہاں سے جانا ہوتا ہے' اس فرق کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ سفر وطن اقامت کے لئے مبطل ہے' پس متون کی تعبیر سفر کے اسی فرد مطلق کے بارے میں ہوگی' تمام سفروں کے بارے میں نہیں ہوگی ''بدائع'' کی تعلیل سے یہی معلوم ہوتا ہے' ملاحظہ ہو:

''وینقض بالسفر ایضا' لان توطنه فی هذا المقام لیس للقرار' ولکن لحاجة' فاذا سافر منه یستدل به علی قضاء حاجته فصار معرضا عن التوطن به فصار ناقضا له دلالة''۔ (کتاب الصلاۃ فصل: والکلام فی صلاۃ المسافر: ط: سعید)

امام کاسانیؒ کی مذکورہ تعلیل سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وطن اقامت کو باطل کرنے والے سفر سے مراد یہ ہے کہ اب یہاں رہائش کی حاجت نہ رہے اور جانے والا اس مقام کی وطنیت کو ختم کردے اور یہ اس سفر میں ہوتا ہے جو کہ بصورت ارتحال ہوتا ہے اور وطن اقامت میں کچھ بھی نہ رہے۔

اس کے برخلاف جس شہر یا جگہ میں کامل رہائش ہے' رہائش کی نیت بھی ہے اور رہائش کا سامان بھی وہیں ہیں' اگرچہ وہ اس کا وطن اصلی نہیں ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص نے اپنا وطن اقامت ختم نہیں کیا۔

صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ بقاء ثقل یعنی سامانِ رہائش وغیرہ کے باقی رہنے سے وطن اقامت باقی رہتا ہے' اگرچہ دوسری جگہ سفر اختیار کرلے۔ صاحب بحر کی عبارت ملاحظہ ہو:

''وفی المحیط: ولو کان له اهل بالکوفة واهل بالبصرة' فمات اهله بالبصرة لاتبقی وطنا له' وقیل: تبقی وطنا' لانها کانت وطنا له بالاهل والدار جمیعا فبزوال احدهما لایرتفع الوطن' کوطن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخر''۔ (باب المسافر ج:۲'ص:۱۳۶'ط:سعید)

۱- لہذا صورت مسئولہ میں اگر زید اپنے گھر سے سوکلومیٹر دور' جائے ملازمت میں رہائش پذیر ہے' جائے ملازمت میں اس کا کمرہ' ذاتی سامان جیسے بستر' چارپائی وغیرہ موجود ہے تو اس صورت میں اگر ایک دفعہ جائے ملازمت میں پندرہ دن اقامت کرچکا ہے' جیسا کہ سوال میں تصریح ہے تو جب تک زید اس جگہ ملازمت کو چھوڑ کر موجودہ رہائش بالکل ختم نہیں کرتا' اس وقت تک جب بھی وطن اقامت (جائے ملازمت) آئے تو چاہے ایک ہی دن کے لئے آئے' وہ مقیم ہی رہے گا اور پوری نماز پڑھے گا' قصر نہیں کرے گا۔

۲- کوئی طالب علم اگر کسی مدرسہ میں ایک سال یا اس سے زائد مدت تک پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس مدرسہ میں اس کا سامان وغیرہ موجود ہے اور ایک مرتبہ اس مدرسہ میں پندرہ دن کی اقامت بھی کرچکا ہے تو

مدرسہ اس طالب علم کا وطن اقامت بن چکا ہے' لہذا جب تک یہ طالب علم مذکورہ مدرسہ سے مستقل نہیں چلا جاتا' اس وقت تک جب بھی اس مدرسہ میں سفر وغیرہ سے آئے گا تو مدرسہ آنے کے بعد خواہ پندرہ دن سے کم ہی کیوں نہ ہو' وہ مقیم ہی شمار ہوگا اور مذکورہ مدرسہ میں قصر نماز نہیں پڑھے گا' بلکہ پوری نماز پڑھے گا۔

۳- مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ طالب علم مذکورہ مدرسہ میں مقیم شمار ہوگا اور مقیم کے لئے چار رکعت والی نمازوں میں مکمل چار رکعت پڑھنا واجب اور ضروری ہے' اگر مقیم آدمی بجائے چار رکعت کے قصر نماز پڑھے تو اس کی نماز بوجہ ناقص ہونے کے ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح مقیم امام اگر چار کے بجائے دو رکعت پڑھائے یعنی نماز قصر پڑھائے تو جب امام کی نماز درست نہیں ہوئی تو مقتدیوں کی نمازیں بھی ادا نہیں ہوئیں۔ ایسی پڑھی گئیں تمام نمازوں کا اعادہ واجب اور ضروری ہے' ورنہ فرض ذمہ میں باقی رہے گا' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت: فرضت الصلاة رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلاة السفر وزیدت فی صلاة الحضر''۔

(مسلم شریف ج:۱ص:۲۴۱ ط:قدیمی)

دوسری حدیث شریف میں ہے:

''عن ابن عباسؓ قال ان الله فرض الصلاة علی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین وعلی المقیم اربعاوفی الخوف رکعة''۔(حوالہ بالا)

اور فتاویٰ شامی میں ہے:

''بل التضمین ان صلاة الامام متضمنة لصلاة المقتدی ولذا اشترط عدم مغایرتهما فاذا صحت صلاة الامام' صحت صلاة المقتدی' لانه متی فسدالشئ فسد ما فی ضمنه''۔(کتاب الصلاۃ' باب الامامۃ ج:۱ص:۵۹۱ ط:سعید)

لہذا مذکورہ طالب علم نے حالت اقامت میں پوری نماز پڑھنے کی بجائے جو نمازیں قصر پڑھی ہیں اور اسی طرح جو نمازیں امام بن کر پڑھائی ہیں تو ایسی تمام نمازوں کا اعادہ امام اور مقتدی پر لازم ہے۔ اعادہ کے لئے اگر ممکن ہو سکے تو فرداً فرداً اطلاع کردی جائے یا بصورت دیگر عام اعلان کے ذریعہ ایسے مقتدیوں کو پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ کرنے کا کہہ دیا جائے۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
صالح محمد کاروڑی	محمد داؤد	عبدالواحد ایاز
		متخصص فی الفقہ الاسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

المصنفات فی الحدیث

حضرت مولانا محمد زمان کلاچوی، صفحات: ۴۹۵، قیمت: درج نہیں، پتہ: القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہؓ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ۔

قدرت الٰہیہ کا دستور ہے کہ جب بھی کسی باطل نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے کسی ہادی و راہبر کو کھڑا کر دیا گیا، اور جب کسی فتنہ کے تانے بانے شروع ہوئے، تکوین نے اس کے تار پود بکھیرنے کے لئے کسی فرد، جماعت یا قوم کو اس کے خلاف میدان میں اتار دیا۔

ٹھیک اسی طرح جب ہندو پاک میں انکارِ حدیث یا انکارِ دین کے فتنے نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے تو اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام اور محدث العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کو اس کی سرکوبی کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوریؒ کی تاریخ اور اس کے کارنامے اس کے شاہد ہیں کہ اس نے ہر اٹھنے والے فتنہ اور فتنہ گر کے مقابلہ میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

پیش نظر کتاب بھی حضرت بنوریؒ اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے انہیں کارہائے نمایاں کی ایک کڑی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فتنہ انکارِ حدیث نے جب پر پُرزے نکالنا شروع کئے تو حضرت بنوری قدس سرہ نے اس کے خلاف ایک فوج تیار کرنے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ اس کے لئے تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم کر کے ملک بھر کے لائق و فاضل طلبہ کو منتخب فرمایا، انہیں خوش قسمتوں میں سے ایک نام حضرت مولانا محمد زمان کلاچوی مدظلہ کا بھی ہے، جنہوں نے دو سال تک حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی قدس سرہ کی تربیت و نگرانی میں رہ کر فتنہ انکارِ حدیث کے خلاف بھرپور تیاری کی اور فن حدیث میں اختصاص حاصل کیا، دوسرے سال کے آخر میں آپ کو "**الکتب المدونة فی الحدیث و خصائصا و اصنافها**" کے عنوان سے عربی میں مقالہ سپردِ قلم کرنے کا کام سپرد کیا گیا، چنانچہ آپ نے نہایت محنت، عرق ریزی اور دقیقہ رسی سے یہ شاندار مقالہ سپردِ قلم کر کے اپنے شیخ حضرت بنوری قدس سرہ سے تحسین و

شاباش کے ساتھ ساتھ اول درجہ میں کامیابی حاصل کی۔

یہ ۱۹۶۵ء کا سال تھا' جب آپ نے یہ یگمان علم مرتب فرمایا' چاہیے تو یہ تھا کہ مقالہ اپنے اہمیت و عظمت کے پیش نظر انہیں دنوں آب وتاب سے منصۂ شہود پر آ جاتا' مگر ''کل امر مرهون باوقاتها '' کے پیش نظر شاید اس طرف کسی کی نظر نہ گئی۔

بلاشبہ یہ مقالہ اگر کسی عرب یونیورسٹی کے کسی طالب علم نے لکھا ہوتا تو اس کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لاحقہ لگا ہوتا اور نہایت شاندار انداز سے طبع ہو کر علمی دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکا ہوتا' مگر اے کاش کہ! اس کا مصنف پاکستان اور اس کے ایک پسماندہ علاقہ سے تعلق رکھتا ہے' بہرحال اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا عبدالقیوم حقانی کو جنہوں نے ۴۲ سال کے بعد اس گمشدہ خزانہ کو منصۂ شہود پر لانے کا قصد کیا۔

پیش نظر کتاب اپنی جگہ نہایت جامع' مفید اور قابل قدر ہے' پروف کی چند فروگزاشتوں سے قطع نظر یہ کتاب دراصل اسی مقالا کا اردو ترجمہ ہے جو مصنف ہی کے قلم سے ہے' جس میں ایک ہزار سال تک فن حدیث کے عنوان پر لکھی گئی عربی' فارسی اور اردو کتب حدیث' ان کا مرتبہ و مقام' خصوصیات' شرائط اور ان کے مصنفین کے تفصیلی احوال کا تذکرہ ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر کتب خانہ میں ہونی چاہئے' نیز اس بات کی ضرورت ہے کہ جدید تحقیق وتخریج کے بعد اہل عربی مقالہ کو نہایت خوبصورت کمپوزنگ کے ساتھ شائع کر کے اسے دنیا بھر میں پھیلانے کی ضرورت ہے، امید ہے کہ اہل ذوق علماء' طلبہ اور باذوق قارئین اس کی قدر افزائی میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

دروس القرآن في شهر رمضان

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ ترتیب: مولانا محمد اصغر کرنالوی' صفحات: ۱۶۷' قیمت: ۲۰۰ روپے' پتہ: زمزم پبلشرز' شاہ زیب سینٹر' نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔

قرآن کریم کتاب ہدایت' دستور حیات اور نسخہ شفاء ہے' یہ انسانی ہدایت وراہنمائی اور رشد وہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے' اس کی تلاوت باعث اجر' اس پر عمل ذریعہ نجات اور اس کا فہم وتدبر موجب ہدایت' اور وسیلہ قرب الٰہی ہے' مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس نسخہ کیمیا' کو پس پشت ڈال دیا اور اس سے ہدایت وراہنمائی کی جگہ اغیار اور ان کی جھوٹی تعلیمات کے پیچھے دوڑنے لگے' بھلا وہ جو خود راہ پر نہیں' وہ دوسروں کو کیا راہ دکھلائیں گے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم'' اور ''خسر الدنيا والآخرة'' کا مصداق قرار پائے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے امت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور ان کو کتاب

ہدایت سے جوڑنے کی محنت فرمائی اور ضلال وگمراہی کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر لاکھڑا کرنے کی کوشش فرمائی، ان ہی خوش نصیب، بلند اقبال، جواں ہمت اور جواں عزم حضرات میں سے ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ بھی تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی دعوت قرآن میں صرف فرمائی اور داعی قرآن کے عنوان سے مشہور ہوئے، ان کا یہی جرم دشمنانِ اسلام کے لئے ناقابل برداشت قرار پایا کہ انہیں بھرے بازار میں شہید کر دیا گیا، مگر شاید ان کو معلوم نہیں کہ ان کے اس گھناؤنے عمل سے بے شک وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور امت ان کے رخ دیدہ زیب کی زیارت سے محروم ہوگئی مگر ان کا پیغام اور دعوت آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

پیش نظر کتاب ان کے اسی پیغام اور دعوت کی ایک شکل ہے، جو انہوں نے اپنی زندگی میں رمضان کی راتوں اور تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کی مختصر تفسیر وتشریح کے عنوان سے دی تھی، جسے کیسٹ میں محفوظ کرنے کے بعد کیسٹ سے نقل کرکے ان کے خدام نے امت کے لئے پیش کیا ہے۔

دروس القرآن کریم کیا ہے؟ دراصل یہ قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ ہے جو ایک مسلمان کی ہدایت و راہ نمائی اور اس کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اکسیر اعظم کا درجہ رکھتا ہے۔

بلاشبہ ''دروس القرآن''علوم ومعارف اور تفسیر وتشریح قرآن کریم کا لازوال خزانہ ہے، جن حضرات نے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ کو سنا ہے وہ اس کو پڑھ کر ایسا محسوس کریں گے جیسے حضرت مولانا ان کے سامنے اپنی اسی فصاحت، بلاغت اور گھن گرج سے بول رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کو بلا کا حافظہ، زکاوت، ذہانت اور استحضار دیا تھا، وہ جس موضوع پر بولتے بلاتکان بولتے چلے جاتے، ایسا محسوس ہوتا جیسے مضامین وحروف ان کے سامنے پرا باندھے کھڑے ہیں، وہ مشکل سے مشکل مضمون کو بھی نہایت آسان انداز میں سمجھانا بلکہ سامعین کے ذہنوں میں اتارنا جانتے تھے، وہ حق گوئی و بے باکی میں اپنی مثال آپ تھے، قرآن وسنت کی دعوت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، اور امت مسلمہ کی ہدایت وراہ نمائی ان کا محبوب مشغلہ تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایک رات میں خود قرآن کریم سنانے کے باوجود دو دو مساجد میں خلاصہ تفسیر بیان کرنے سے بھی نہیں اکتاتے تھے، وہ ایک ایک دن میں تین تین اور چار چار دروس وبیانات کرکے بھی تروتازہ نظر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مرتب موصوف کو جنہوں نے اس خوانِ یغما کو امت کے سامنے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، پیش نظر کتاب ۲۷ دروس پر مشتمل ہے، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ بظاہر اس خلاصہ تفسیر میں ایک فرد اور قوم کی اصلاح کے لئے قرآن کریم کے بنیادی مضامین نہایت خوبصورتی سے آگئے ہیں، امید ہے کہ اہل ذوق، خصوصاً علماء اور طلبہ اس خزانہ عامرہ سے محروم نہیں رہیں گے۔

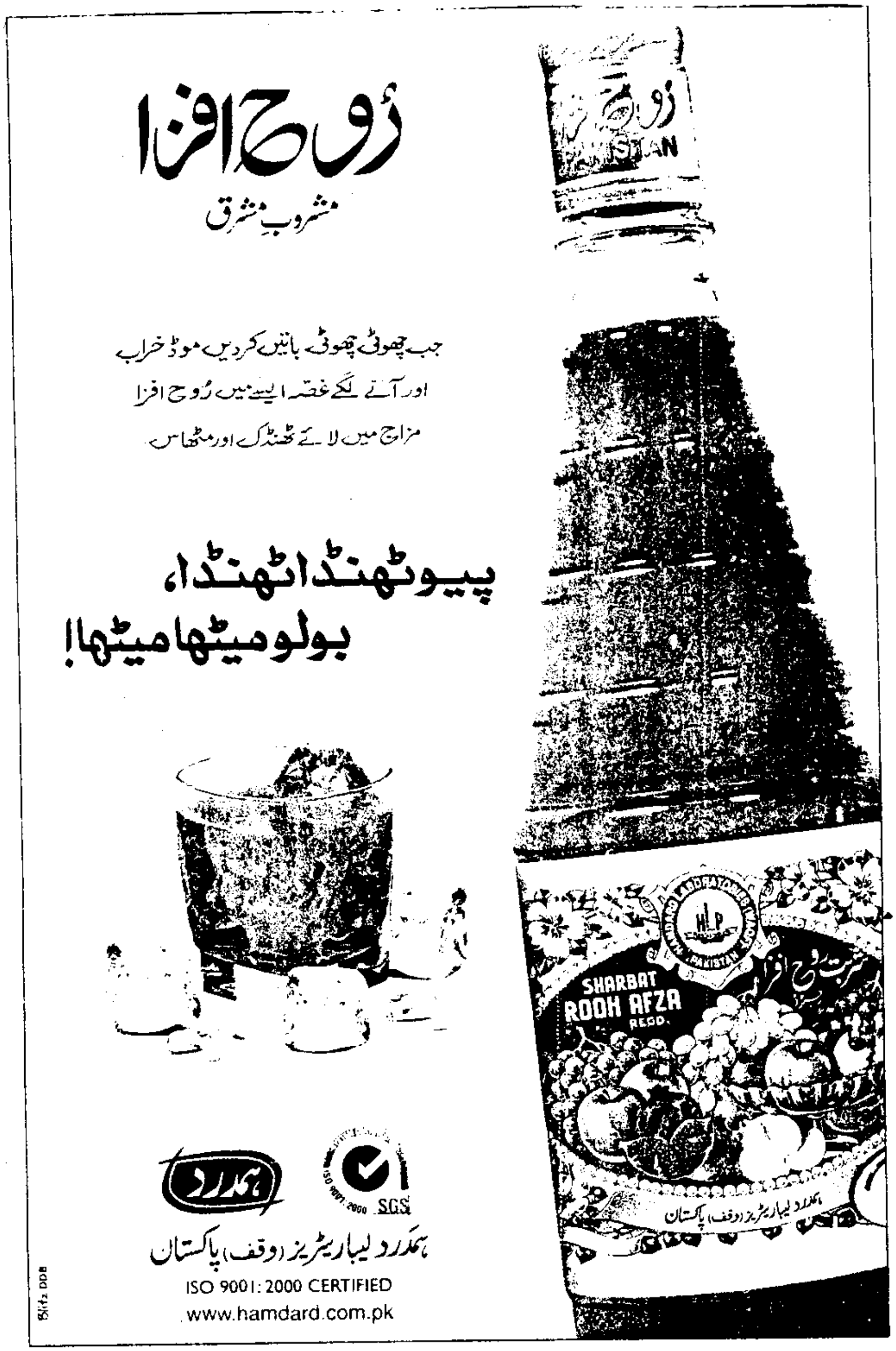
روح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کر دیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصہ ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
ہمدرد
SGS
ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 CERTIFIED
www.hamdard.com.pk